عقل اور مذہبِ اسلام

جسمیں مذہبِ اسلام کا عقلِ سلیم کے مطابق ہونا واضح اور روشن دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔

تالیف

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

تخریج و تسہیل

مولانا عبد الحمید یوسف صاحب قاسمی

استاذ شعبہ انگریزی زبان وادب دار العلوم دیوبند

شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند

بسم الله

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

عقل اور مذہب اسلام

جس میں مذہب اسلام کا عقل سلیم کے مطابق ہونا
واضح اور روشن دلائل سے بیان کیا گیا ہے

تالیف:

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ

ولادت: ۱۳۱۸ھ = ۱۹۰۰ء   وفات: ۱۳۹۴ھ = ۱۹۷۴ء

تخریج و تسہیل:

مولانا عبدالحمید یوسف قاسمی

استاذ شعبۂ انگریزی زبان و ادب دارالعلوم دیوبند

Nadwa Library
الندوہ
Islamabad
Educational Trust

ناشر:

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

جملہ حقوق بحق شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند محفوظ ہیں

زیر سرپرستی حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

زیر انتظام حضرت مولانا بدرالدین اجمل علی صاحب قاسمی دامت برکاتہم
(رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

سلسلۂ مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی (۶۴)

نام کتاب: عقل اور مذہب اسلام
تالیف: حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ
تحقیق و تسہیل: جناب مولانا عبدالحمید یوسف قاسمی صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
صفحات: ۵۶
سنِ اشاعت: جولائی ۲۰۲۱ء
کمپوزنگ: انیس الرحمن قاسمی (شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند)
ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم دیوبند (ضلع سہارنپور، یوپی، پن کوڈ: 247554)

ناشر:
شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند
(ضلع سہارنپور، یوپی، پن کوڈ: 247554)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۵
۲	حرفِ اوّلیں	۷
۳	ضروری گزارشات	۱۰
۴	عقل اور مذہب اسلام	۱۳
۵	اہلِ مذہب	۱۶
۶	خلاصہ	۱۸
۷	عقل اور نقل کے تعارض کی صورتیں	۲۱
۸	پہلی صورت	۲۲
۹	دوسری صورت	۲۳
۱۰	تیسری صورت	۲۴
۱۱	چوتھی صورت	۲۴
۱۲	حسن وقبح کی تقسیم	۲۴
۱۳	عقل کی حقیقت اور اس کی تعریف	۲۵
۱۴	عقل کا مقام	۲۶
۱۵	عقل اور علم میں فرق	۲۷

۱۶	شرائط انعکاس	۲۷
۱۷	عقل، روح اور نفس میں فرق	۲۹
۱۸	حضرات انبیاء کرامؑ کی تعلیم	۳۲
۱۹	مذہب سے نفرت کی اصل وجہ	۳۲
۲۰	عقل کا محل	۳۳
۲۱	شریعت کا کوئی مسئلہ خلافِ عقل نہیں ہوسکتا	۳۵
۲۲	نبوت کا ایک نمونہ	۳۵
۲۳	سائنس شریعت کے معارض نہیں ہوسکتی	۳۶
۲۴	عقل کی صحت اور مرض کا معیار	۳۶
۲۵	عقل کی لطافت اور کثافت	۳۷
۲۶	نبوت کی ضرورت	۳۹
۲۷	طبیب کی شناخت یعنی اثبات رسالت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیہ	۴۲
۲۸	مذہب کی تعریف اور ضرورت	۴۴
۲۹	عبادت سے انسان ہی کا فائدہ ہے	۴۶
۳۰	مذہب کی تعلیم	۴۷
۳۱	لا مذہبوں کا مذہب	۵۲
۳۲	مذہب اسلام دین اور دنیا دونوں کا جامع ہے	۵۳
۳۳	عقل سلیم کا فتویٰ	۵۵
۳۴	خاتمہ	۵۵
۳۵	دعا	۵۵

تمت بالخیر

پیشِ لفظ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

علوم دینیہ کی تعلیم واشاعت علمائے کرام کی اہم ذمہ داری ہے؛ علماء اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں ہمیشہ سرگرم رہے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد میں تعلیم وتربیت اور درس وتدریس کے ساتھ ساتھ زبان وقلم کے ذریعہ علومِ دینیہ اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کو بھی اہمیت حاصل رہی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم کے فضلاء نے دینی واسلامی موضوعات پر حالات کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، سیرت وعقائد، تاریخ وتذکرہ اور تصوف وسلوک وغیرہ ہر ہر عنوان پر وقیع اور بصیرت افروز تصانیف تیار کی ہیں، چناں چہ دارالعلوم دیوبند میں معیاری علمی لٹریچر کی نشرواشاعت اور اکابر کے علوم وافکار کی تحقیق وترویج کے مقصد سے شیخ الہند اکیڈمی کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا، جس میں اب تک ساٹھ سے زائد معیاری علمی وتحقیقی کتابیں شائع کی جاچکی ہیں۔

سال گذشتہ ہمارے ملک ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں کورونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن ہوا، تو تعلیمی نظام کے تعطل کی وجہ سے فیصلہ لیا گیا کہ دارالعلوم کے اساتذہ سے حسب ذوق وصلاحیت مختلف علمی کام لیے جائیں، اسی مقصد سے چند اساتذہ کرام پر مشتمل تحقیق وتالیف وترجمہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی نے غور وخوض اور صلاح ومشورہ کے بعد مختلف قدیم کتابوں کی نئے انداز پر ترتیب، تسہیل وتحقیق، اور حسب ضرورت نئے عناوین پر لٹریچر کی تیاری کا نظام بنایا، اس کے بعد اساتذۂ کرام نے حسبِ ذوق کاموں کا انتخاب کیا؛ چنانچہ بعض اساتذہ نے کو قدیم کتابوں کی تحقیق وتسہیل کا کام کیا اور بعض نے حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں

سے ہم آہنگ اور معاصر ذہن کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کے مقصد سے متعدد جدید عناوین پر لٹریچر تیار کرنے کا بیڑا اُٹھایا، اس طرح تقریباً چالیس نئے عناوین پر کام ہوا جن میں ضروری اور حساس عنوانات بھی شامل ہیں، اسی کے ساتھ اکابر علمائے دیوبند کی تقریباً بیس کتابوں کو تسہیل و تحقیق کر کے اشاعت کرنے کا منصوبہ زیر عمل آیا۔

زیر نظر کتاب ''عقل اور مذہب اسلام'' مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ علیہ، جس پر مولانا عبدالحمید یوسف قاسمی نے تسہیل و تحقیق کا کام کیا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، راقم نے اِس پر نظر ثانی کر لی ہے، ضروری کارروائی اور نظر ثانی کے مراحل سے گذرنے کے بعد اس کو شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اس موقع سے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، موصوف تحقیق و تالیف کمیٹی کے نگراں تھے اور کمیٹی کے امور سے دلچسپی رکھتے تھے، افسوس اِس سلسلہ کی کوئی بھی کاوش منظر عام پر آنے سے قبل ہی جوارِ رحمت میں چلے گئے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔ آمین

اخیر میں 'تحقیق و تالیف کمیٹی' کے ارا کین اور کمیٹی کے کنوینر جناب مولانا عمران اللہ صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ان کی دلچسپی اور محنت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا اس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ جزاهم الله خير الجزاء!

اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائیں اور امت مسلمہ کے لیے اس کتاب کو مفید بنائیں۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

ابوالقاسم نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۲/ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ = ۴/جولائی ۲۰۲۱ء

حرف اوّلیں

اسلام ایک دین کامل اور مکمل دستور حیات ہے، انسانی زندگی سے متعلق اس میں واضح ہدایات و تعلیمات موجود ہیں قیامت تک دنیا میں رونما ہونے والے انقلابات، انسانی زندگی کے مسائل، پیچیدگیوں اور دشواریوں کو حل کرنے کی اس میں صلاحیت پائی جاتی ہے اسلامی تعلیمات کی انصاف پسندی، مساوات واعتدال اور معقولیت کی وجہ سے اسلام اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت تھوڑی مدت میں اس نے غیر معمولی انقلاب برپا کرڈالا، کہ انسانی جسم تو اس کے مطیع و پابند ہوئے ہی قلوب واذہان بھی حقانیت اسلام کو تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے اور پوری دنیا میں اسلام کے زمزمے بلند ہونے لگے۔

پھر جب دنیا میں فلسفہ اور عقل پسندی کا زور بڑھا، ہر چیز اور ہر عمل میں عقل کے ذریعہ ترجیح متعین کرنے والا طبقہ ظاہر ہوا تو اس طبقہ نے اسلام کے احکام وعبادات میں بھی عقل کی میزان قائم کرنی شروع کردی، وہ احکام اسلام کو عقل پر پرکھتے، اگر کوئی حکم عقل کے دائرہ میں ہوتا اس کی حکمت سمجھ میں آتی تو اس کو تسلیم کرتے ورنہ ترک کردیتے، یہ کتنی عجیب بات تھی کہ بندے اپنی ناقص عقل وفہم سے خدائی احکام کو پرکھنے لگیں یہ اندازِ فکر اور نظریہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی تعداد میں باقی رہا، جس سے سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے، انھیں حالات کے پیش نظر علماء نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور متعدد کتابیں تصنیف کیں، علمائے متقدمین میں سے حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

توازن واعتدال اسلام کی خوبی ہے اور اس سلسلے میں اعتدال ہی ملحوظ رکھا گیا،

شریعت کے عام ظاہری احکام کے متعلق عقل کے استعمال سے منع نہیں کیا گیا؛ بلکہ قرآن وسنت سے فقہی احکام عقل کو استعمال کر کے ہی ترتیب دیئے گئے ہیں؛ لیکن جن احکام وعقائد کی بنیاد کو جاننے سے عقل عاجز ہو جاتی ہے اور ان تک عقل کی رسائی ممکن نہیں ہوتی، تو ان کو عقل کے ذریعہ نہیں سمجھا جا سکتا، ان کو خالقِ کائنات نے اپنے مخصوص بندوں کے ذریعہ انسانوں تک پہنچایا، ایسے امور میں عقل کے استعمال سے منع کیا گیا ہے، ان پر اعتماد و اعتبار کے لیے قرآن و احادیث میں اُن کا مذکور ہونا کافی ہے، پھر ہر عقل متفاوت بھی ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر کسی کی سمجھ میں کسی حکم کی حکمت نہ آئے اور اِس بنا پر وہ اس کو ماننے سے انکار کر دے تو ایسے شخص کو احمق اور دیوانہ ہی کہا جائے گا؛ کیوں کہ ہر حکم کی حکمت کا ہر انسان کی عقل و فہم میں آنا ضروری نہیں؛ اس لیے ہر انسان کو مذہبِ اسلام کے عقائد و احکام میں عقلی گھوڑے دوڑانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، اِس سلسلہ میں درست اور متعدل طریق سمجھانے کے لیے زیرِ نظر کتاب ''عقل اور مذہب اسلام'' تحریر کی گئی ہے، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے عقل اور نقل کے تعارض کی صورتیں، عقل کی حقیقت اور اس کی تعریف، عقل کا مقام، عقل اور علم میں فرق، عقل، روح اور نفس میں فرق، عقل کا محل، مذہب سے نفرت کی وجہ، شریعت کا کوئی مسئلہ عقل کے خلاف نہیں، نبوت کی ضرورت، لامذہبوں کا مذہب، عقل سلیم کا فتوی جیسے عناوین پر مشتمل یہ کتاب ترتیب دی جس میں اسلام کا عقل سلیم سے مطابق ہونا واضح اور روشن دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، عنوان مذکورہ بالا پر یہ کتاب آسان اور عمدہ پیرائے میں ہونے کی وجہ سے کافی مقبول ہوئی۔

سال گذشتہ جب دار العلوم میں تعلیمی نظام موقوف ہوا اور کرونا بیماری کے سبب ساری سرگرمیاں معطل ہوگئیں، تو اربابِ انتظام نے تحریری و تصنیفی عمل کو جاری رکھنے کے لیے تحقیق و تالیف کمیٹی تشکیل دی، جس کی ذمہ داری احقر کے کاندھوں پر ڈالی گئی، اولاً کمیٹی نے کام کا خاکہ تیار کر کے اساتذہ کرام کی خدمت میں ارسال کیا، اس موقع پر جناب مولانا

عبدالحمید یوسف قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند نے کتاب مذکور "عقل اور مذہب اسلام" کو منتخب کیا، اور پوری دلچسپی محنت وتوجہ کے ساتھ حواشی وعناوین کے اضافے، رموز املا کی رعایت کے ساتھ تحقیق وتسہیل کام مکمل کردیا، کمیٹی کے مشورے سے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نظرثانی فرمائی، حضرت مہتمم صاحب کی نظر ثانی اور کمیٹی کی کارروائی کے بعد اب یہ کتاب شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کی جارہی ہے۔

ابھی تحقیق وتالیف کمیٹی کے تحت جاری تصنیفی وتحقیقی عمل کے نتائج منظر عام پر نہیں آسکے تھے، بعض کتابیں اور رسائل تکمیل ونظرثانی کے بعد کتابت وطباعت کے مرحلے میں ہی تھیں کہ استاذِ محترم اور تحقیق وتالیف کمیٹی کے نگراں حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصورپوری دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے، تحقیق وتالیف کمیٹی کے امور سے حضرت والا کو خاصی دلچسپی تھی، اس کاوش کے منظر عام پر آنے سے حضرت والا کو بہت خوشی ہوتی اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

اس موقع سے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، اور اراکین کمیٹی حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری، حضرت مولانا محمد ساجد صاحب ہردوئی، حضرت مولانا عارف جمیل صاحب مبارکپوری اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں کلماتِ تشکر پیش ہیں اور ساتھ ہی مولانا عبدالحمید یوسف قاسمی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ موصوف نے تسہیل وتحشیہ سے اس کتاب کو مزین کیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سلسلہ کو خیر کا ذریعہ بنائے اور اس کتاب کو نافع بنائے۔ آمین

عمران اللہ قاسمی

کنوینر تحقیق وتالیف کمیٹی ونگراں شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

۲۴رذیقعدہ ۱۴۴۲ھ = ۶رجولائی ۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری گزارشات

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

اکابر دارالعلوم دیوبند نے اسلام کی بقا اور احیا کے لیے جس تڑپ اور للّٰہیت کے ساتھ کام کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بات چاہے اسلام کی تعلیمات کو کسی بھی قسم کی آلائش سے پاک انداز میں پیش کرنے کی ہو یا خدا بیزار عقل پرست لوگوں پر اُنھیں کے انداز میں اسلام کی حقانیت کو واضح کرنے کی، علمائے دیوبند کی کاوشیں اور خدمات آب زر سے لکھے جانے کی قابل ہیں۔

کم و بیش سو سال پہلے جب مسلمانوں کو ارتداد اور الحاد کے طوفان کا سامنا تھا تو علمائے دیوبند ہی نے اللہ کی مرضی سے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ ان کے دین و ایمان کو تحفظ عطا کیا۔ آج ملت اسلامیہ پھر اسی طرح کے حالات سے دوچار ہے۔ اکابر دیوبند کی تحریریں خدا بیزاری میں مبتلا ہو چکے لوگوں کو واپس راہ راست پر لا سکتی ہیں۔ ان تحریروں کو مزید بڑے پیمانے اور منصوبہ بند طور پر پیش کیے جانے کی ضرورت ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی شیخ الہند اکیڈمی اس طرح کی تحریروں کی اشاعت کے حوالہ سے مسلسل کام کرتی رہی ہے۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے ہونے والے تدریسی تعطل کے دوران دارالعلوم کی ”تحقیق و تالیف کمیٹی“ کے تحت اس سلسلے کو مزید وسعت دی گئی اور متعدد کتابوں کے ساتھ ساتھ حضرت العلام مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی کتاب ”عقل اور

مذہب اسلام" کی جدید طرز پر اشاعت کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ یہ کتاب اس معنی میں کافی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں حضرت نے اس بات کو دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اگر آدمی کے اندر عقل سلیم ہے تو اسے اسلام کی حقانیت تسلیم کرنی ہی ہوگی۔

کمیٹی نے اس کتاب کی تخریج و تسہیل کا کام راقم سطور کے سپرد کیا۔ یہ خاکسار کے لیے سعادت کی بات تھی۔ بندے نے درج ذیل آٹھ امور کی رعایت کرتے ہوئے اس مفوضہ کام کو انجام دیا:

(۱) کتاب کی اصل عبارت جوں کی توں باقی رکھی گئی ہے تاکہ اس کی استنادی حیثیت متاثر نہ ہو۔

(۲) کتاب میں آنے والی آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کے مکمل حوالے حاشیہ میں درج کیے گئے ہیں، البتہ پہلے سے موجود حوالوں کو کتاب کے اصل حصے میں جوں کا توں برقرار رکھا گیا ہے۔

(۳) حوالہ جات کی تخریج کرتے وقت اُس نسخے تک رسائی کی کوشش کی گئی ہے جو تصنیف کرتے وقت حضرتؒ کے سامنے رہا ہوگا۔

(۴) کتاب میں کچھ آیتوں کا ترجمہ درج نہیں تھا۔ ایک دو کے علاوہ ایسی تمام آیتوں کا ترجمہ حضرتؒ کی مشہور تالیف 'معارف القرآن' سے نقل کیا گیا ہے۔

(۵) عربی عبارتوں پر اعراب نیز فارسی و اردو کے مشکل الفاظ پر حرکات وسکنات لگادیے گئے ہیں۔

(۶) اسی طرح، قارئین کی سہولت کی خاطر فارسی اشعار کا اردو ترجمہ بھی کردیا گیا ہے، اور ان ترجموں کو نیچے حاشیہ میں جگہ دی گئی ہے، فارسی اور عربی کی کچھ عبارتوں کے ترجمے کتاب میں موجود تھے، انھیں اُن کے مقام پر بعینہٖ برقرار رکھا گیا ہے۔

اکابر دیوبند کی کسی کتاب پر کام کرنے کی سعادت مجھے پہلی بار حاصل ہوئی ہے۔اس کے لیے میں تحقیق وتالیف کمیٹی دارالعلوم دیوبند اور شیخ الہند اکیڈمی کا شکر گزار ہوں۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بندہ مصنفؒ کی خدمات ہی کی طرح اس عاجز کی خدمات کو بھی شرف قبولیت بخشے۔آمین!

عبدالحمید یوسف قاسمی
خادم التدریس شعبۂ انگریزی زبان وادب
دارالعلوم دیوبند

۲۵/رجب المرجب/۱۴۴۲ھ = ۱۰/مارچ/۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.

عقل اور مذہبِ اسلام

اے خدائے قادرِ بے چُون و چَند
از تو پیدا شُد چُنیں قصرِ بلَند
قطرۂ دانِش کہ دادستی[1] زِپیش
مُتصل گرداں بہ دریا ہائے خِویش[2]

آج کل دنیا میں دو گروہ ہیں: ایک گروہ اہلِ مذہب اور اہلِ دین کا ہے، دوسرا گروہ مدعیانِ عقل کا ہے۔ دونوں میں کشمکش ہے اور طعن و تشنیع کا سلسلہ جاری ہے۔

دوسرا گروہ پہلے گروہ کو بے عقل اور بیوقوف اور سادہ لوح بتلاتا ہے اور آج کل کی مہذب اصطلاح میں اس مفہوم کے لیے 'مولوی' اور 'ملّا' کا لفظ استعمال ہو رہا ہے۔

اور پہلا گروہ دوسرے گروہ کو مغرور اور بے ادب بتلاتا ہے؛ کہ یہ شخص دولت کے نشہ میں چور ہے اور خداوند ذوالجلال کے اتارے ہوئے قانون پر بغیر پڑھے اور بغیر سوچے اور بغیر سمجھے ہوئے طعنہ زن ہے۔

اے میرے عزیزو! خدا تم کو عقل دے۔ اگر کوئی شخص فرعون اور ہامان کے تمدن اور

---

(۱) مثنوی کے کچھ نسخوں میں 'بخشیدی' استعمال ہوا ہے۔

(۲) مثنوی مولانا رومؒ، دفتر اول، تفسیر ماشاء الله کان و ما لم یشأ لم یکن. ترجمہ: اے قادر مطلق خدائے کریم! آپ نے ہی ایسا بلند و بالا آسمان پیدا کیا۔ آپ نے علم و عقل کا جو قطرہ عطا کیا ہے، اسے اپنے دریائے علم سے جوڑ دیں۔

ظاہری اور فانی ساز و سامان کو دیکھ کر موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی آواز سننا نہیں چاہتا، اور قارون کی دولت و ثروت کو دیکھ کر ہارون علیہ السلام اور یوشع بن نون علیہ السلام (جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے) کو حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے، تو کیا یہ شخص عاقل ہے؟

اُوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شُد ☆ اُوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شُد[1]

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا تو رؤساء اور امراء نے آپ کو مجنون بتلایا۔ وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ[2] اور اعتراض یہ کیا کہ آپ کے اتباع کرنے والے مفلس اور رذیل اور پست لوگ ہیں اور ایسے غریب اور نادار ہیں کہ ہم شریفوں کے لیے ان کے ساتھ بیٹھنا بھی باعثِ ننگ اور عار ہے۔ کما قال تعالیٰ حاکیا عنہم[3]: وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ[4] (ترجمہ:) 'اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے متبعین وہی لوگ ہیں جو ہم سے کم تر اور موٹی سمجھ کے ہیں۔'

اور اہل عقل اور اہل فہم کے نزدیک ان کا یہ اعتراض ہی ان کی جہالت اور حماقت کی دلیل تھا۔ حق حق ہے، خواہ اس کا اتباع کرنے والے شرفاء ہوں یا مفلس اور رذیل ہوں۔ بلکہ حقیر اور ذلیل، مفلس اور رذیل حق کا اتباع کرنے کی وجہ سے عزیز اور سربلند ہو جاتا ہے؛ اور شریف اور معزز آدمی حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے ذلیل ہو جاتا ہے۔

کالج اور اسکول ہی میں جا کر دیکھ لیجیے کہ غریبوں کے بچے تعلیم میں آگے ہیں، اور امیروں کے بچے تعلیم میں کتنے پیچھے ہیں۔ امیروں کے بچے اپنے باپ کی دولت و ثروت

---

[1] مثنوی مولانا رومؒ، دفتر دوم، 'دوم بار بہ سخن آوردن سائل آن بزرگ را تا حال او معلوم کند' ترجمہ: جو محبوب کا دیوانہ نہیں بنا حقیقت میں وہی پاگل ہے، اور جس نے عقل کا بیجا استعمال نہیں کیا درحقیقت وہی عقلمند ہے۔

[2] قرآن شریف، سورۂ قمر (۵۴): ۹ ترجمہ: اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انھیں ڈانٹا بھی گیا۔

[3] اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

[4] قرآن شریف، سورۂ ہود (۱۱): ۲۷

اور موٹر اور بنگلہ کے نشے میں چور ہیں؛ استاد کی تقریر کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اور غریبوں کے بچے متواضع ہیں، تواضع نے ان کے دلوں اور سینوں کو آئینہ بنادیا ہے؛ استاذ جو تقریر کرتا ہے ان کا آئینۂ دل فوراً اس کا عکس اپنے اندر لے لیتا ہے۔ اور امیروں اور وزیروں کے بچوں کے دل زنگ آلود ہیں یا استاذ کی طرف انکا رخ صحیح نہیں، بجائے منہ کے اُدھر پشت کیے ہوئے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اتباع کرنے والے اکثر غرباء اور فقراء ہوئے ہیں؛ اور انبیاء کا مقابلہ کرنے والے اکثر رؤساء اور امراء ہوئے ہیں۔ تواضع نے فقراء کو آگے بڑھادیا؛ اور دنیوی مال ومنال اور جاہ وجلال کے غرور اور نخوت نے امراء کو قبولِ حق کی سعادت سے محروم کردیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا مفصل جواب سورۂ ہود میں مذکور ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

حق کو مال ودولت اور ظاہری شان وشوکت اور عمدہ لباس اور عمدہ سواری کے معیار سے جانچنا یہی پہلی غلطی ہے۔ حق دلائل اور براہین سے پرکھا جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کا مقولہ ہے:

'جوہر اگر در خلاب اُفتد ہُماں نفیس اَست، وغبار اگر بَر فلک رَوَد ہماں خسیس است'[۱]

ترجمہ: گوہر اگر کیچڑ میں بھی گر پڑے تو اس کی قدر وقیمت نہیں گھٹتی؛ اور غبار اگر آسمان پر بھی چلا جائے تو بے قدر اور کم قیمت ہے۔

چونکہ یہ عالَم دارِ ابتلاء اور دارِ امتحان ہے، حق جل شانہٗ نے بندوں کی آزمائش کے لیے جن حضرات کو حق اور اپنی ہدایت دیکر بھیجا اُن کو مادّی سامان نہیں دیا، اور جن کو مادی ساز وسامان اور نادی اور ظاہری شان وشوکت دی ان کو حق نہیں عطا فرمایا۔

ابراہیم خلیل اللہ اور موسی کلیم اللہ کو فقیری اور درویشی کے لباس میں حق دے کر بھیجا اور نمرود اور فرعون کو حکومت اور سلطنت عطا کی مگر اپنی توفیق سے محروم فرمادیا، تاکہ لوگوں کا

---

[۱] گلستان شیخ سعدیؒ، باب ہشتم ''در آداب صحبت''، ص: ۲۳۲، مطبوعہ: ہمہ رنگ کتاب گھر دیوبند

امتحان ہو کہ کون حق کی طرف جاتا ہے اور کون باطل کی طرف۔ اگر حق کے ساتھ مادّی طاقت بھی ہوتی تو پھر دنیا میں کوئی بھی باطل کا قبول کرنے والا نہ ہوتا۔

اہلِ مذہب

اہل مذہب اور علماء دین حضرات انبیاء کرام کے علم کے وارث ہیں۔ اس لیے، وہ تم کو اس مسئلہ کی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں: خدارا، کچھ دیر کے لیے آئینۂ دل کا رخ اِدھر پھیر لیجئے اور سنیے۔

بے شک عقل ایک نعمت عُظمیٰ ہے جس پر دین اور دنیا کی فلاح اور کامیابی اور ترقی کا دارو مدار ہے۔ مگر اس کے درجات ہیں۔ کوئی عقل تندرست ہے اور کوئی بیمار ہے؛ کوئی عقل نر ہے اور کوئی مادہ؛ کسی کی عقل زنگ آلود ہے اور کسی کی عقل آئینہ کی طرح صاف اور شفّاف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ: کیا ہر شخص کی عقل کو احکام شریعت کے پرکھنے کی کسوٹی بنایا جا سکتا ہے؟ اگر ہر شخص اور ہر کس و ناکس کی عقل معیار بن جائے تو کارخانۂ عالم درہم برہم ہو جائے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ اگر کہ ہر کس و ناکس کو اپنی شخصی عقل اور ذاتی فہم کے بنائے ہوئے قانون پر چلنے کا مُجاز گردان دیا جائے[1] تو عالم میں کیا خرابہ برپا ہو جائے۔

اس اسمبلی کا بنایا ہوا قانون (کہ جو عوامِ بے علم کے ووٹوں کی اکثریت سے منتخب ہوئے ہیں)، اِس کے متعلق کسی تعلیم یافتہ بلکہ کسی وکیل اور بیرسٹر کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ یہ قانون میری سمجھ میں نہیں آیا اس لیے میں اس پر عمل کرنے سے معذور ہوں؛ اور نہ کوئی شخص حکومت سے یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ مجھ کو یہ حق اور اختیار دیا جائے کہ قانون کی جو بات میری سمجھ میں آئے اس پر عمل کروں، اور جو نہ سمجھ میں آئے اس پر عمل کرنے سے معذور سمجھا جاؤں۔

---

[1] یعنی اجازت دے دی جائے

اگر ووٹ کی خود ساختہ حکومت سے اِس اختیار کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، تو احکم الحاکمین کے اتارے ہوئے قانون کے متعلق یہ مطالبہ کیسے جائز اور روا ہوسکتا ہے جو تمہارے وجود اور ادراک کا مالکِ مُطلَق ہے؟

اگر یہ قاعدہ عام کردیا جائے کہ عقل کو نقل پر ترجیح ہوا کرے، تو حکومت کا کارخانہ درہم برہم ہوجائے۔ حکومت کے بہت سے قوانین ایسے ہیں کہ جو دیہاتیوں کے سمجھ میں نہیں آتے، اور بہت سے تعلیم یافتہ افراد بھی کماحقہٗ نہیں سمجھتے۔ کیا ان دیہاتیوں یا کسی تعلیم یافتہ فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ 'جب تک یہ قوانین میری عقل اور سمجھ میں نہ آجائیں، اس وقت تک میں ان پر عمل پیرا نہیں ہوں گا اور مجھ کو اختیار ہے کہ ان قوانین میں سے جس کو صحیح سمجھوں اس پر عمل کروں۔' اور دلیل یہ بیان کرے کہ 'آخر عقل اللہ تعالی نے کس لیے دی ہے؟ اگر ہم بے سوچے سمجھے قانون کا اتباع کرنے لگیں، تو ہماری یہ عقل بے اعتبار بلکہ بیکار ٹھہرے گی۔'

یا کوئی مریض طبیب سے یہ کہے کہ آپ کا یہ طریقۂ معالجہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور درایۃً آپ کا طریقۂ علاج غلط ہے، اس لیے جب تک میری سمجھ میں نہ آجائے گا، اس وقت تک علاج نہ کراؤں گا۔

جواب یہ دیا جائے گا کہ:

اگر تم کو یہ حکومت تسلیم ہے، تو پھر تم کو اس کا ہر قانون بھی ماننا ہوگا، ہر حکم کے متعلق لِمَ اور علت دریافت کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔

اور علیٰ ہذا طبیب یہ کہے گا کہ آپ پہلے یہ طے کرلیجئے کہ میں طبیب بھی ہوں؛ طبیب ماننے کے بعد آپ کو بے چون و چرا علاج کرانا ہوگا، اور اس سوال کا حق نہ ہوگا کہ یہ دوا کیوں لکھی اور اتنی کیوں لکھی۔

معلوم ہوا کہ اگر ہر شخص کو اپنی عقل کے اتباع اور پیروی کی اجازت دے دی جائے، تو دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اگر عقل کو بالائے طاق رکھ دیا جائے، تو وہ بھی عالم کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔

اس اشکال کا حل اور ان دو مختلف باتوں میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ عقل کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے ہر چیز کی اصل کو سمجھ لے اور پرکھ لے، اور اصل کے سمجھنے کے بعد اس کی فروع اور جزئیات میں نہ الجھے۔

قوانین کے بارے میں اصل الاصول حکومت کا مسئلہ ہے۔ عقل اولاً یہ سوچ لے کہ یہ حکومت بھی قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ حکومت تسلیم کر لینے کے بعد، عقل کو فروع اور احکام قانونی میں دَخل دینے کا اختیار نہ ہوگا؛ اور جو قانون پاس ہو کر آئے گا اس کو بلا دلیل ماننا پڑے گا، اور پاس شدہ قانون کے متعلق ان کو کسی بحث اور مناظرہ بلکہ کسی لب کشائی کی اجازت نہ ہوگی۔

عقل کو چاہئے کہ معالجہ سے پہلے دیکھ لے کہ یہ طبیب اس قابل ہے کہ اس سے علاج کرایا جائے یا نہیں۔ اور جب عقل یہ طے کر لے کہ یہ طبیب ہے اور اس سے علاج کرانا ہے، تو اب فروع میں عقل کو دخل دینے کی اجازت نہیں: کہ بات بات میں طبیب سے الجھے اور سوالات کرے کہ اس وقت یہ دوا کیوں دی اور اس وقت مسہل کیوں دیا اور فلاں چیز کے کھانے کی کیوں اجازت دی اور فلاں چیز سے کیوں پرہیز بتایا، طبیب جب تک اس کی دلیل نہ بتلائے میں دوا نہ پیوں گا۔

خلاصہ

یہ کہ عقل نہ بیکار ہے اور نہ ہر جگہ اس کو چلنے کا اختیار ہے۔ عقل کے لیے بھی احکام اور قوانین ہیں کہ کہاں چلے اور کہاں نہ چلے، اور کہاں بولے اور کہاں خاموش رہے۔

عقل بیشک ایک نعمت عظمیٰ ہے مگر اختیارِ مُطلَق اور جبرِ محض کے بین بین ہے۔

اور اگر سوال مذکور کے جواب میں یہ کہا جائے کہ حق اور باطل اور خیر اور شر کے معلوم کرنے کا معیار عقلِ سلیم ہے، تو چشمِ ما روشن، دل ماشاد[1] کا مضمون ہے۔ اور الحمد للہ ہم بَانگ دُہُل[2] کہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کا کوئی حکم بھی عقلِ سلیم کے خلاف نہیں، بلکہ دعوی کے ساتھ کہتے ہیں کہ شریعت کے کسی حکم کا عقل سلیم کے خلاف ہونا ناممکن اور محال ہے۔

(ا) اس لیے کہ عقل سلیم بھی حق اور صحیح ہے اور شریعت اسلامیہ بھی حق اور صحیح اور صادق ہے۔ اور ایک حق اور سچ بات کبھی بھی دوسری حق اور سچ بات کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

علامہ ابن رُشد فرماتے ہیں:

وإذ كانت هذه الشرائعُ حقا وداعيةً إلى النظر المُؤدِي إلى معرفة الحق فإنّا معشر المسلمين نَعْلَمُ على القطع أنه لا يُؤدّي النظرُ البرهاني إلى مخالَفة ما وَرَدبه الشرعُ فإن الحق لا يُضادّ الحق[3]

(ترجمہ:) 'اور جب کہ شریعت سچی ہے اور لوگوں کو ایسی نظر اور فکر کی دعوت دیتی ہے جس سے حق تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو، پس ہم تمام اہلِ اسلام کے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ صحیح دلیل اور صحیح بُرہان کبھی شریعت کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ شریعت بھی حق اور سچ ہے اور دلیل برہانی بھی حق اور سچ ہے، اور ایک حق اور سچ بات کبھی دوسری حق اور سچ بات کے خلاف نہیں ہو سکتی۔'

---

[1] 'ہماری آنکھ روشن اور دل خوش ہے' یعنی بسرو چشم منظور ہے

[2] علی الاعلان

[3] فلسفة القاضي ابن رشد الأندلسي، ص ٦، الطبعة الحميدية مصر، مطبوعه ۱۳۱۹ھ

(۲) نیز قرآن کریم نے اگر ایک طرف عقلِ سلیم کی پیروی کا حکم دیا ہے تو دوسری طرف حضرات انبیاء کرام کی بے چون و چرا اطاعت کا بھی حکم دیا ہے، اور انبیاء کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ شریعت کا کوئی حکم خلافِ عقل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر شریعت کے احکام خلافِ عقل ہوتے تو حق تعالیٰ دو متضاد چیزوں کی پیروی کا ہرگز حکم نہ دیتے، اور عقل اور شریعت سے سرتابی کرنے والوں کی توبیخ اور سرزنش نہ فرماتے۔

(۳) نیز اگر انبیاء کرام کی شریعتوں کے احکام خلاف عقل ہوتے تو حضرات انبیاء لوگوں کو شریعت کی دعوت دیتے وقت عقل کو تدبر کی دعوت نہ دیتے۔ عقل کو غور و فکر کی دعوت وہی شخص دے سکتا ہے کہ جس کی بات خلافِ عقل نہ ہو بلکہ عین عقل ہو۔

(۴) نیز اگر احکام شریعت خلاف عقل ہوتے تو لوگ انبیاء کرام اور ان کی شریعت پر عاشق نہ ہوتے، خلاف عقل چیز پر کوئی عاشق نہیں ہوتا؛ اور نہ ان کی محبت میں اپنا جان و مال ان پر فدا کرتے؛ اور نہ ان کی محبت میں اپنے خویش اور اقارب اور والدین اور اہل و عیال سے قطع تعلق کرتے؛ اور نہ ان کے حکم سے اپنی خواہشوں اور لذّتوں سے دست بردار ہوتے۔ اور یہ وہ عشق ہے کہ جس کے سامنے لیلیٰ اور مجنوں کے عشق کی داستان بھی گرد ہے۔ خلاف عقل چیز پر کوئی عاشق نہیں ہوتا۔

یہ تو حضرات انبیاء کے ساتھ صحابہ کے عشق کا حال تھا۔ اور حضرات انبیاء کی عظمت اور جلال کا یہ حال تھا کہ باوجود حضرات انبیاء کرام کی فقیری اور درویشی کے، لوگ ان سے اتنا ڈرتے تھے کہ کسی بڑے سے بڑے صاحبِ سَطوَت اور صاحبِ فوج بادشاہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے تھے۔ حالانکہ بادشاہ لوگوں کو مال و دولت دیتے ہیں اور ان کی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ بخلاف انبیاء کرام کے، کہ نہ تو وہ لوگوں کو مال تقسیم کرتے ہیں اور نہ ان کی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں؛ بلکہ لوگوں کو لذّتوں اور شہوتوں سے روکتے ہیں۔

پس اس ہیبت اور عظمت اور محبت اور اطاعت کا سبب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے تمام احکام عین عقل کے مطابق ہوتے ہیں۔ حیوانات انسان کی محض عقل ہی کی وجہ سے اطاعت کرتے ہیں، ورنہ قوتِ جسمانیہ میں انسان حیوان کا پاسنگ بھی نہیں۔ اور جن لوگوں نے حضرات انبیاء کی تکذیب اور مخالفت کی سو اُس کی وجہ یہ نہ تھی کہ احکام شریعت خلاف عقل تھے، بلکہ اپنی نفسانی خواہشوں اور لذتوں سے محروم ہو جانے کی وجہ سے، یا اپنی سرداری کے زوال کے خوف سے، یا آباء واجداد کی مراسم قدیمہ کی محبّت کی وجہ سے شریعت کی اطاعت سے محروم رہے۔

(۵) نیز احکام شرعیہ کی اصل مُکلَّف اور اصل مخاطَب عقل ہے۔ پس اگر احکام شریعہ خلاف عقل ہوتے تو تکلیف مالا یُطاق لازم آتی۔

(اطلاع:) امام شاطبیؒ نے الموافقات، جلد ۴، صفحہ ۲۷ تا جلد ۴، صفحہ ۳۴ میں اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے۔ حضرات اہل علم اصل کی طرف مراجعت فرمائیں۔(۱)

عقل اور نقل کے تعارض کی صورتیں

گزشتہ بیان سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ عقل کبھی بھی نقل اور مذہب کے مُعارِض (۲) نہیں ہوسکتی۔ بالفرض اگر عقل اور نقل میں تعارض نظر آئے تو عقلاً اس کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ہر ایک کے احکام جدا جدا اور علاحدہ علاحدہ ہیں۔ ذرا غور سے ان کی تفصیل سنیے:

(۱) الموافقات في أصول الأحكام مؤلفه امام شاطبیؒ، مطبوعه المطبعة السلفية مصر، سنه ۱۳۴۱ھ کی جلد ۳، عنوان المسألة الثالثة في أن الأدلة الشرعية لا تنافي أحكام العقول السليمة و الدليل على ذلك، و إيراد أن في القرآن ما لا تفهمه العقول و الجواب عن ذلك کے تحت ص ۱۳ تا ۱۷ میں اس تعلق سے مفصل بحث کی گئی ہے کہ احکام شریعت اور عقل سلیم میں تعارض محال ہے۔

(۲) مخالف

پہلی صورت

دلیل عقلی اور دلیل نقلی دونوں قطعی ہوں اور پھر ان میں تعارض ہو۔ شریعت اسلامیہ میں یہ صورت متحقق ہی نہیں (۱)، محض احتمالِ عقلی کے درجہ میں ہے۔ مثلاً، ایک شخص یہ کہے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور میں نے خود اس کو غروب ہوتے دیکھا ہے، اور دوسرا کہے کہ میں نے اس کے خلاف دیکھا ہے۔ اگر یہ دونوں شخص سچے ہیں، تو عقلاً اختلاف محال ہے۔

اسی طرح، اگر دلیل عقلی بھی قطعی اور صحیح ہو جس میں ظن اور گمان اور وہم کا احتمال نہ ہو اور دلیل نقلی بھی قطعی ہو یعنی قرآن کریم کی نصِ صریح یا حدیثِ متواتر سے کوئی بات ثابت ہو، ان دونوں میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا۔

ہم بانگ دُہل کہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کا کوئی حکم ایسا نہیں کہ جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور پھر دلیل عقلی قطعی کے خلاف ہو۔ اور قیامت تک بھی کوئی شخص اس کی مثال نہیں پیش کر سکتا۔ اور یہی اس شریعت کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

بخلاف عیسائیت اور یہودیت کے، کہ اس میں عقیدۂ اِبنیت موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ عقیدہ صریح دلائل عقلیہ قطعیہ کے خلاف ہے۔ اور علیٰ ہذا، 'توحید فی التثلیث' اور 'التثلیث فی التوحید' کا عقیدہ بھی صریح عقل کے خلاف ہے۔ اور علیٰ ہذا، مسئلۂ کفّارہ بھی صریح عقل کے خلاف ہے۔

تنبیہ: بعض کم فہم یہ کہتے ہیں کہ واقعۂ معراج اور عذابِ قبر اور معجزات وغیرہ وغیرہ، یہ باتیں خلافِ عقل ہیں۔

جواب: اِن میں سے کوئی چیز بھی محال اور ناممکن نہیں، البتہ مُستبعَد (۲) ضرور ہیں۔

---

(۱) یعنی پائی ہی نہیں جاتی

(۲) دشوار

اس لیے کہ خارق عادت امور میں اور محال اور مستبعد میں زمین وآسمان کا فرق ہے؛ خلاف عادت امر کو خلاف عقل بتلانا خود خلاف عقل ہے۔

دوسری صورت

تعارض کی دوسری صورت یہ ہے کہ دلیلِ عقلی اور دلیل نقلی دونوں ظنی (۱) ہوں۔ اس صورت میں دلیل نقلی کو مقدم رکھا جائے گا اور نص شرعی کو ظاہری اور قریبی معنی پر محمول کریں گے (۲)، بعید معنی کا اعتبار نہ کریں گے۔ مثلاً، کوئی شخص اسٹیشن پر اپنے خادم سے کہے کہ ٹکٹ لے آؤ۔ اور وہ بجائے ریل کے، ڈاک کا ٹکٹ لے آئے اور یہ کہے کہ آپ نے لفظ 'ٹکٹ' مُطلَق بولا تھا، اس لیے میں یہ ٹکٹ لے آیا۔ تو خادم کی یہ تاویل، تعمیل حکم نہ سمجھی جائے گی بلکہ تحریف اور تمسخر سمجھی جائے گی۔

اسی طرح، نصوص شریعت کو قریبی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اور قریبی معنی کو چھوڑ کر بعید معنی پر محمول کرنا کسی طرح درست نہ ہوگا۔ نصوص شریعت میں اگر اس قسم کی بعید تاویلوں کی اجازت دے دی جائے، تو شریعت کی اصلی حقیقت باقی نہ رہے گی۔ مثلاً، اگر قانونِ حکومت میں اس قسم کی تاویلوں کی گنجائش دے دی جائے، تو قانون قانون نہ رہے بلکہ ایک کھیل اور تماشہ ہو جائے، اور کارخانۂ عالم درہم برہم ہو جائے۔

سائنسدانوں کی تحقیقات مختلف ہوتی ہیں اور روز بدلتی رہتی ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ تمام تحقیقات بھی ظنی ہیں اور ان کے دلائل بھی ظنی ہیں، اسلیے وہ تحقیقات بدلتی رہتی ہیں۔

---

(۱) خیالی؛ مفروضہ
(۲) قریبی معنی مراد لیں گے

تیسری صورت

یہ ہے کہ دلیل نقلی قطعی ہو اور دلیل عقلی ظنی ہو۔ اس کا حکم؟ ظاہر ہے کہ دلیل نقلی کو ترجیح ہوگی۔ اور عقل کا مُقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ظنی کو قطعی کے تابع کیا جائے۔

مثلاً، ایک افسر نے خبر دی کہ میں نے فلاں شخص کو ۱۰ ربجے دن میں فلاں جگہ دیکھا ہے کہ ڈاکہ کی واردات میں شریک تھا۔ اور دوسرا شخص یہ خبر دے کہ میں نے اس شخص کو ۹ ربجے کی ریل سے ٹکٹ لیتے ہوئے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ شخص ڈاکہ میں شریک نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ دلیل عقلی ہے اور ظنی ہے، اور اس افسر کا بچشم خود اس کو عین موقع پر دیکھنا یہ دلیل نقلی ہے اور قطعی ہے۔ لہٰذا اس دلیل نقلی اور قطعی اور غیر محتمل (۱) کو دلیل عقلی اور ظنی پر ترجیح ہوگی۔

چوتھی صورت

دلیل عقلی قطعی ہو اور دلیل نقلی ظنیُ الثبوت (۲) یا ظنیُ الدلالت (۳) ہو۔ تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ دلیل عقلی کو ترجیح دی جائے گی اور دلیل نقلی میں تاویل کی جائے گی۔

حسن وقبح کی تقسیم

تمام جہان کا اس پر اتفاق ہے کہ بعضے افعال اچھے ہیں اور بعضے برے۔ اس تقسیم سے کسی کو اختلاف نہیں۔ ہاں اگر اختلاف ہے تو اس کی تفصیل اور تعیین میں ہے، یعنی کوئی کسی فعل کو اچھا سمجھتا ہے اور کوئی کسی کو برا۔ مسلمان توحید کو اچھا سمجھتے ہیں اور نصاریٰ تثلیث کو اچھا سمجھتے ہیں۔

---

(۱) شک سے پاک

(۲) یعنی جس کے غلط ہونے کا بھی امکان ہو

(۳) جس کے ایک سے زیادہ معنی مراد لیے جاسکتے ہوں

یہ اختلاف خود اس کی دلیل ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بعضے کام اچھے ہیں اور بعضے برے۔ ورنہ یہ اختلاف ہی کیوں ہوتا؟ پس یہ اختلاف ہی اس اتفاق کی دلیل بنا۔ اب اس حقیقت کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد، عقل کی تعریف کی طرف توجہ فرمایئے۔

عقل کی حقیقت اور اس کی تعریف

ہر چیز کی کمی اور بیشی کے دریافت کرنے کی ایک ترازو ہے۔ سیاہ اور سفید، اچھی اور بری شکل دریافت کرنے کے لیے تو آنکھ ترازو ہے؛ اور اچھی اور بری آواز کے لیے کان ترازو اور میزان ہے؛ اور خوشبو اور بدبو کے لیے ناک؛ اور میٹھی اور کھٹی کے واسطے زبان؛ اور گرمی اور سردی کے لیے تمام بدن ترازو ہے۔ اور اسی طرح ہزاروں ترازوئیں ہیں۔

اور اشیاء کی بھلائی اور برائی معلوم کرنے کے لیے عقل میزان ہے۔ عقل سے بھلائی اور برائی کا فرق اور کمی اور بیشی معلوم ہوتی ہے۔ عقل، دَفترِ علمِ الٰہی کا ایک محافظ ہے۔ جس طرح دفترِ مُبصِرات یعنی ظاہری چیزوں کے دیکھنے کے لیے چشمِ ظاہری عنایت ہوئی ہے، اسی طرح دفترِ پنہانی کی سیر کے لیے ایک چشمِ پنہانی مَرحمت ہوئی ہے جس کا نام عقل ہے۔ اور جس طرح سیاہ اور سفید کا فرق اس چشمِ ظاہری سے معلوم ہوسکتا ہے، اسی طرح نیک و بد کا فرق دیدۂ عقل سے معلوم ہوسکتا ہے۔ لیکن جیسے آنکھیں مختلف ہیں؛ سب سے یکساں فرق نہیں معلوم ہوتا بلکہ بسا اوقات الٹا معلوم ہونے لگتا ہے: اَحوَل یعنی بھینگے کو ایک کے دو معلوم ہوتے ہیں اور یَرقان والے کو سفید چیز بھی زرد نظر آتی ہے، ایسے ہی ہر عقل سے نیک و بد کا صحیح صحیح فرق نہیں معلوم ہوسکتا۔ اور جیسے کم نظروں کو بعضے رنگ مثلاً مکوہی اور عُنّابی اور سیاہ

سب ایک ہی نظر آتے ہیں، ایسے ہی کم عقلوں کو بہت سے نیک و بدامور سب یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ (تقریر دلپذیر ص ۷۳ تا ۷۵)(۱)

عقل کا مقام

عقل خواہ کتنی ہی سلیم کیوں نہ ہو مگر اس کا ادراک محدود اور متناہی ہے۔ تمام اشیاء کا تو درکنار، عقل ایک ہی شے کے تمام اطراف وجوانب کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

اس لیے کچھ بعید نہیں کہ ایک شے بعض حالات کے اعتبار سے حَسَن اور پسندیدہ ہو اور بعض حالات کے اعتبار سے قبیح اور بُری ہو۔ اور یہ شخص ایک جانب سے بے خبر ہونے کی وجہ سے دوسری جانب کو علی الاطلاق حسن یا قبیح بتلادے۔

نیز طبائعِ بشریہ اکثر اوہام کی مُطیع ہوتی ہیں۔ وہم کی آمیزش صحیح ادراک سے مانع ہوتی ہے۔ پھر عقل کی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ عقل اپنے ادراک میں حواسِ خمسہ کی محتاج ہے۔ معلوم ہوا کہ اشیاء کے حُسن اور قُبح کا کماحقہ علم سوائے خداوندِ علیم وخبیر کے کسی کو نہیں۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت اور عنایت سے عقل کو جس حد تک ادراک عطا فرمادیں اسی حد تک علم ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہ عقل خداوند ذوالجلال کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک ذرۂ بے مقدار ہے۔ خدا تعالیٰ نے عقل کو عالم اور فاہم بنا کر دنیا میں بھیجا ہے، حاکم بنا کر نہیں بھیجا؛ عقل بے شک شعور اور ادراک رکھتی ہے مگر مرتبۂ بلوغ کو نہیں پہونچی۔ حجتِ بالغہ حضرات انبیاء

---

(۱) 'تقریر دل پذیر' مؤلفہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، صفحہ ۷۳ تا ۷۵، مطبوعہ زیر نگرانی حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مطبع نولکشور لکھنؤ (کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، رجسٹر عظیم، اندراج نمبر ۸۸۱۵۶ نیز 'عقائد و کلام اردو'، سلسلہ نمبر ۲۷۲/۲ 'تقریر دل پذیر' مؤلفہ حضرت نانوتویؒ، ص ۱۱۲ (فرض اور واجب کا مفہوم) تا ص ۱۱۵ (عقل کی حقیقت اور اس کے مراتب)، مطبوعہ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، سنہ ۱۴۳۵ھ

کی بعثت سراپا رحمت، اور ان کی شریعت سراپا حکمت ہے۔ اور نابالغ کا اکابر کے سامنے لب کشائی کرنا بے عقلی اور گستاخی ہے۔

عقل اور علم میں فرق

جس طرح آئینہ میں صورتیں مُنعکِس ہوتی ہیں، اسی طرح عقل اور ذہن کو آئینہ سمجھو کہ اس میں ہر قسم کی چیزوں کا عکس آتا ہے۔ عقل بس ایک آئینہ ہے اور علم وہ نقشہ اور تصویر ہے کہ جو عقل کے آئینہ میں نظر آنے لگتی ہے۔

فرق اتنا ہے کہ آئینہ میں صرف ان اشیاء کا عکس پڑتا ہے جو آنکھوں سے نظر آسکیں، اور ذہن اور عقل میں ہر قسم کی چیز کا عکس اور نقش منعکس اور مُنقّش ہوسکتا ہے۔

مثلاً، آپ نے کسی کی تقریر سنی اور پھر وہی تقریر دوبارہ اسی شخص سے یا کسی دوسرے سے یا کسی ریڈیو سے سنی، تو سنتے ہی یہ کہہ دیتے ہو کہ یہ وہی تقریر ہے۔ معلوم ہوا کہ اس تقریر کا کوئی نقشہ پہلے سے آپ کے ذہن میں موجود تھا۔ تقریر کا عکس ذہن میں آسکتا ہے، مگر آئینہ میں تقریر کا عکس لینا ناممکن ہے۔

شرائط انعکاس:

اگر کوئی چیز آئینہ میں منعکس ہونے کے قابل ہے لیکن آئینہ میں اس کا عکس نہیں آتا، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ تتبّع اور اِستقراء (۱) سے معلوم ہوا کہ اس کی پانچ وجہ ہوسکتی ہیں:

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ وہ جوہر (لوہا) جس میں آپ عکس لینا چاہتے ہیں، وہ صیقل (۲) ہوکر ابھی آئینہ ہی نہیں بنا،

(۲) یا آئینہ تو بن گیا تھا مگر بعد میں زنگ آلود ہوگیا،

---

(۱) مشاہدہ کرکے نتیجہ نکالنا

(۲) صیقل یعنی دھات کا زنگ چھڑا کر اسے چمکانا

(۳) یا صاف اور شفاف ہے مگر جس چیز کا عکس لینا چاہتے ہو وہ آئینہ کے مقابل اور محاذی نہیں،

(۴) یا مقابل بھی ہے مگر کوئی شے درمیان میں حائل ہے، یا

(۵) عکس لینے والے کو عکس لینے کا طریقہ معلوم نہیں۔

ان سب حالتوں میں کسی شے کا عکس لینا ناممکن اور محال ہے۔ ان موانع کے ہوتے ہوئے محسوسات کا عکس بھی نہیں لیا جا سکتا۔

(۱) اسی طرح قلب یعنی عقل کے آئینہ کی حالت ہے: کبھی تو ایسا ہوگا کہ قلب ناقص ہے اور ابھی تک اس میں انعکاس کی پوری قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی؛ جیسے شیر خوار بچہ کا قلب، کہ ابھی اس میں معقولات کے ادراک کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی ہے۔

(۲) اور کبھی ایسا ہوگا کہ قلب میں ادراکِ معقولات کی قابلیت تو پیدا ہو چکی ہے مگر مَعاصی اور ناشائستہ افعال کی وجہ سے آئینۂ عقل زنگ آلود ہے، جب تک مُجاہدات اور رِیاضات اور مُراقبات سے اس زنگ کو دور نہ کیا جائے اس وقت تک خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے علوم و معارف کا انعکاس اس زنگ آلود آئینہ پر نہیں ہو سکتا۔ معاصی اور نفسانی خواہشوں کے زنگ دور کرنے کے ماہر اور تجربہ کار اور آئینۂ قلب کے صیقل گر حضرات اولیاء اور عارفین ہیں۔

(۳) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آئینۂ قلب گناہوں کی آلائش سے بھی پاک ہے مگر دنیوی مشاغل اور مصروفیات کی بناء پر قلب اس جانب متوجہ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ قلب جس چیز کی طرف متوجہ نہیں اس چیز کی صورت اس کے آئینۂ قلب میں کیسے منعکس ہو؟ انعکاس کے لیے مُحاذات اور مقابلہ شرط ہے۔

(۴) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آئینۂ قلب صاف اور شفاف بھی ہے اور توجہ بھی کامل ہے مگر عقائدِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ یا کورانہ تقلید انعکاس حق کے لیے حجاب اور حائل بنے

ہوئے ہیں۔ جب تک یہ درمیانی حجاب رفع نہ ہوگا اس وقت تک صحیح علوم آئینۂ قلب تک نہیں پہونچ سکیں گے۔

(۵) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انعکاس یعنی علم اور ادراک کے تمام سامان جمع ہیں مگر ان کی جو ترتیب صحیح اور مناسب تھی وہ قائم نہیں ہوئی، اس لیے آئینہ میں عکس نہیں آتا۔ مثلاً، ایک شخص اپنی گُدی کا حال آئینہ میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اب اگر آئینہ آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے تو پیچھے کا حال اس میں منعکس نہیں ہوتا ہے، اور اگر آئینہ کو پیچھے کی جانب لے جاتا ہے تو پیچھے کا عکس تو آئینہ میں آجاتا ہے مگر اس کو نظر نہیں آتا، اس کی آنکھیں اس عکس کے دیکھنے سے محروم ہیں۔ انعکاس کے تمام اسباب مہیا ہیں مگر عکس کے دیکھنے سے محروم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کو عکس لینے کا طریقہ معلوم نہیں۔ یکا یک ایک شخص آیا اور اس نے بتلایا کہ اگر گدی کا عکس لینا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آئینہ پیچھے لے جاؤ اور ایک آئینہ اس آئینہ کی مُحاذات میں اپنے سامنے اس طرح رکھو کہ جو عکس پہلے آئینہ میں پڑے اسی عکس کا ایک پَرتَو(۱) اس دوسرے آئینہ میں آجائے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے، اس طرح تمہاری مشکل حل ہوجائے گی اور پیچھے کا حال تم پر کھل جائے گا، اور عکس لینے میں جو دقتیں پیش آرہی ہیں وہ سب دور ہوجائیں گی۔

عقل اور روح اور نفس میں فرق

عقل کی تعریف تو معلوم ہو چکی۔ اب ہم مختصراً روح اور نفس میں فرق بتلانا چاہتے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک روح اور نفس ایک ہی شے ہیں، مگر علماء محققین کے نزدیک

(۱) جھلک

روح اور نفس دو علاحدہ علاحدہ شے ہیں۔ استاذ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے؛ اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے۔ مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں؛ جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں، مگر ملائکہ نورانی ہیں اور شیاطین ناری ہیں، فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور شیاطین نار سے پیدا کئے گئے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے 'تمہید شرح موطا' میں (۱) اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے:

أَنّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ وَجَعَلَ فِيهِ نَفْسًا وَرُوحًا، فَمِنَ الرّوحِ عَفَافُهُ وَفَهْمُهُ وَحِلْمُهُ وَسَخَاؤُهُ وَوَفَاؤُهُ وَمِنَ النّفْسِ شَهْوَتُهُ وَطَيْشُهُ وَسَفَهُهُ وَغَضَبُهُ وَنَحْوُ هَذَا۔ (روض الأنف، ص ۱۹۷، ج ۱) (۲)

---

(۱) التمہید میں یہ روایت آئی ہے: "قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: حِينَ خَلَقْتُ آدَمَ، رَكَّبْتُ جَسَدَهُ مِنْ رَطْبٍ وَيَابِسٍ، وَسُخْنٍ وَبَارِدٍ۔ وَذَلِكَ لِأَنِّي خَلَقْتُهُ مِنْ تُرَابٍ وَمَاءٍ، ثُمَّ جَعَلْتُ فِيهِ نَفْسًا وَرُوحًا۔ فَيُبُوسَةُ كُلِّ جَسَدٍ خَلَقْتُهُ مِنَ التُّرَابِ، وَرُطُوبَتُهُ مِنْ قِبَلِ الْمَاءِ، وَحَرَارَتُهُ مِنْ قِبَلِ النَّفْسِ، وَبُرُودَتُهُ مِنْ قِبَلِ الرُّوحِ، وَمِنَ النَّفْسِ حِدَّتُهُ وَشَهْوَتُهُ وَلَهْوُهُ وَلَعِبُهُ وَضَحِكُهُ وَسَفَهُهُ وَخِدَاعُهُ وَعُنْفُهُ۔" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم کی تخلیق کرتے وقت میں نے ان کے جسم کو خشک وتر، گرم وسرد دونوں سے بنایا۔ اس کی وجہ یہ ہے میں نے ان کی تخلیق مٹی اور پانی سے کی، پھر میں نے ان کے اندر نفس اور روح ڈالی۔ تو ہر جسم کی خشکی کا تعلق مٹی سے، نمی کا پانی سے، حرارت کا نفس سے اور ٹھنڈک کا روح سے ہے؛ اور نفس سے اس کے اندر حدت، شہوت، لہو ولعب، ہنسی، سفاہت، فریب کاری اور تندی کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد مؤلفه ابن عبد البر قرطبی رحمه الله، الحديث الثالث والأربعون، ج ۵، ص ۲۴۳، مطبوعه وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية مراكش، سنه ۱۳۸۷ھ

(۲) الروض الأنف في شرح السيرة النبوية مؤلفه ابن هشام رحمه الله، ج ۱، ص ۱۹۸، مطبوعه مطبعة الجمالية مصر، سنه ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء

(ترجمہ:) ’اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں ایک نفس اور ایک روح کو رکھا۔ پس عفت اور فہم اور علم یہ سب پسندیدہ چیزیں روح سے نکلتی ہیں؛ اور شہوت اور طیش اور سفاہت اور غصہ اور اس قسم کے تمام اخلاقِ ذمیمہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں۔‘

حاصل یہ کہ اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ روح سے ظاہر ہوتے ہیں؛ اور اخلاقِ ذمیمہ نفس سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں تمام اخلاق ذمیمہ مثلاً شہوت اور حرص؛ اور طمع اور بخل اور تکبر وغیرہ وغیرہ کو نفس کی طرف منسوب کیا گیا ہے، روح کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔

حق تعالیٰ نے وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ (۱) فرمایا اور أُحْضِرَتِ الأرواحُ الشُّحَّ نہیں فرمایا۔

اور نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى (۲) فرمایا اور نَهَى الرُّوحَ عَنِ الهَوىٰ نہیں فرمایا۔

اور وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (۳) فرمایا اور إِلَّا مَنْ سَفِهَ روحَه نہیں فرمایا۔

اور إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (۴) فرمایا اور إِنَّ الرُّوحَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ نہیں فرمایا۔

اور حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ (۵) فرمایا اور حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَرْوَاحِهِمْ نہیں فرمایا۔

اور لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ (۶) فرمایا اور لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَرْوَاحِهِمْ نہیں فرمایا۔

---

(۱) قرآن شریف، سورۂ نساء (۴): ۱۲۸ ترجمہ: اور طبیعتیں (نفس) تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں۔
(۲) قرآن شریف، سورۂ نازعات (۷۹): ۴۰ ترجمہ:: اور دل (نفس) کو خواہشوں سے روکتا رہا۔
(۳) قرآن شریف، سورۂ بقرہ (۲): ۱۳۰ ترجمہ: اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے سوائے اس شخص کے جو خود اپنے آپ (نفس) کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو۔
(۴) قرآن شریف، سورۂ یوسف (۱۲): ۵۳ ترجمہ: کیونکہ نفس اتارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے۔
(۵) قرآن شریف، سورۂ بقرہ (۲): ۱۰۹ ترجمہ: اپنے دل (نفس) کی جلن سے۔
(۶) قرآن شریف، سورۂ فرقان (۲۵): ۲۱ ترجمہ: یہ اپنے خیال (نفس) میں بڑائی رکھتے ہیں۔

اور حدیث میں نفس کو دشمن فرمایا؛ روح کو دشمن نہیں فرمایا۔ نیز حدیث میں جہاد نفس کا حکم آیا ہے؛ جہاد روح کا حکم نہیں آیا۔

حضرات انبیاء کرامؑ کی تعلیم

انبیاء کرامؑ نے لوگوں کو عقل سلیم کے مرغوبات اور اس کے لذائذ اور طیبات کی طرف بلایا، اور نفس اور نفسانی خواہشوں سے ڈرایا اور ہٹایا اور بچایا۔ اور لوگوں کو خوب اچھی طرح سے یہ بتایا اور سمجھایا کہ عقل تمہاری دوست ہے اور نفس تمہارا دشمن ہے۔ عقل تو اللہ کی باتوں پر عاشق اور فریفتہ ہے مگر یہ نفس جو شیطان کا جڑواں بھائی ہے اس کو انبیاء کرام کی تعلیم سے خاص نفرت ہے۔

نفس اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوتوں میں آزادی چاہتا ہے۔ انبیاء کرام کی تعلیم میں قدم قدم پر نفس پر پابندیاں ہیں، جس سے نفس کے بندے اور غلام گھبراتے ہیں۔ اور یورپ کی تہذیب و تمدن نفس کی شہوتوں اور نفسانی خواہشوں کی تکمیل میں اتنی ترقی کر چکی ہے جس کو دیکھ کر شیطان بھی حیران ہے۔

مذہب سے نفرت کی اصل وجہ

مذہب سے اصل نفرت کی وجہ یہ ہے کہ مذہب اسلام نفسانی خواہشوں میں حارج اور مزاحم(۱) ہے اور نئی تہذیب اس میں مُمِد اور معاون ہے۔

عقل کا محل

آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا محل قلب ہے۔

---

(۱) رکاوٹ ڈالنے والا

لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا (۱) ۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ (۲) آی عقل (۳)۔

اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ عقل کا محل دماغ ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عقل کا منبع اور سرچشمہ تو دل ہے، اور خزانہ اُس کا دماغ ہے۔

شریعت کا کوئی مسئلہ خلافِ عقل نہیں ہوسکتا

اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شریعت کا کوئی مسئلہ خلاف عقل ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے کہ شریعت اُن امور سے بحث کرتی ہے کہ جہاں عقل اور تجربہ کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ پس جب مذہب اور عقل کی راہ اور منزل ہی الگ الگ ہوئی تو تعارض کا امکان بھی نہ رہا۔ ایک پٹری پر چلنے والی دو گاڑیوں کی ٹکر ممکن ہے، مگر دو مختلف پٹریوں پر چلنے والی دو گاڑیوں کا ٹکرانا ناممکن ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

حق جل شانہ نے جوہرِ انسانی کو اولِ فطرت میں خالی اور سادہ پیدا فرمایا؛ مخلوقات میں سے اس کو کسی چیز کی خبر نہ تھی۔ چونکہ عالم کی اشیاء مختلف قسم کی تھیں اس لیے حق تعالیٰ نے موجوداتِ مختلفہ کے ادراک کے لیے مختلف قسم کے حواس پیدا فرمائے:

اَلوان یعنی رنگتوں کے ادراک اور صورتوں اور شکلوں کی دریافت کے لیے قوتِ باصرہ پیدا فرمائی؛ اور نغمات اور آوازوں کے لیے قوت سامعہ پیدا فرمائی؛ اور حرارت اور

(۱) قرآن شریف، سورۂ حج (۲۲): ۴۶ ترجمہ: تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے۔

(۲) قرآن شریف، سورۂ ق (۵۰): ۳۷ ترجمہ: جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے اس کے لیے اس میں نصیحت ہے۔

(۳) یعنی عقل

بُرودت اور رطوبت اور یبوست کے ادراک کے لیے قوتِ لامسہ پیدا فرمائی؛ اور شیرینی اور تلخی کا فرق معلوم کرنے کے لیے قوتِ ذائقہ پیدا فرمائی؛ اور خوشبو اور بد بو کے فرق کو معلوم کرنے کے لیے قوتِ شامّہ پیدا فرمائی۔ اور پھر اپنی قدرتِ کاملہ سے ہر حاسّہ کی ایک خاص حد مقرر فرمادی کہ دوسرا حاسہ اس میں دخل نہ دے سکے اور نہ اس کی مقررہ حدود میں داخل ہو سکے۔ چنانچہ قوت باصرہ کی یہ مجال نہیں کہ وہ نغموں اور آوازوں کی وادی میں قدم رکھ سکے؛ اور قوت سامعہ کی یہ مجال نہیں کہ وہ رنگتوں اور صورتوں اور شکلوں کی حدود میں داخل ہو سکے۔

لاکھ جتن کوئی کرے لاکھ کرے کوئی دھیان
آنکھ کبھی نہ سن سکے دیکھ سکے کبھی نہ کان

اور جو موجودات ایسی ہیں کہ جو ان حواسِ خمسہ یعنی سمع، بصر وغیرہ کے ذریعہ سے مُدرَک نہ ہو سکیں، ان کے ادراک کے لیے حق تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا، تا کہ عقل سے ان چیزوں کا ادراک ہو سکے کہ جن تک حواس خمسہ کی رسائی نہیں۔

اور پھر عالم غیب کی وہ چیزیں کہ جہاں نہ حواس کی رسائی ہے اور نہ عقل کی پرواز، ان کے ادراک کا ذریعہ نبوت اور وحی کو بنایا تا کہ عالم غیب کی وہ چیزیں کہ جہاں عقل نکمی ہے وہ وحی نبوت سے معلوم ہو سکیں۔

پس جس طرح طَورِ عقل، طور حواس سے بالا اور برتر ہے کہ جو چیز حواس سے نہ معلوم ہو سکے وہ عقل سے معلوم ہو سکتی ہے، اسی طرح طور نبوت طور عقل سے بالا اور برتر ہے کہ جو چیز عقل سے دریافت نہ ہو سکے وہ نور نبوت سے جانی جا سکے۔ اور جس طرح عقل کا دائرہ حواس کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے، اسی طرح وحی نبوت کا دائرہ عقل کے دائرہ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اور جس طرح عقل اور حواس کی حدود الگ الگ ہیں اور دونوں کے مُدرَکات اور معلومات میں کسی تعارض کا امکان نہیں، اسی طرح عقل اور نبوت کی حدود الگ

الگ ہیں؛ جہاں عقل کی حد ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد سے نبوت کی حد شروع ہوتی ہے۔ پس جب کہ عقل اور نبوت کی حدود بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں تو پھر تعارض کا کوئی امکان ہی نہیں رہا۔ اور اگر طور نبوت طور عقل سے بالا اور برتر نہ ہو بلکہ قرآن اور حدیث کی ہر بات ایسی ہو کہ جس کو ہر عقل سمجھ سکے تو پھر ایمان ہی لانے کی کیا ضرورت رہی؛ ایمان کی ضرورت وہاں ہوتی ہے کہ جو امر طور عقل سے بالا اور برتر ہو، ایمان اسی شے کے ماننے اور تسلیم کرنے کو کہتے ہیں کہ جو محض کسی کے کہنے سے مان لیا گیا ہو۔

نبوت کا ایک نمونہ

چونکہ قاصر العقل طور نبوت کا انکار کرتے ہیں، اور تقریباً اس کو ناممکن سمجھتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا جس کا نام خواب ہے۔

خواب کی حالت میں انسان مثل بے ہوش اور مردہ کے ہو جاتا ہے، اور تمام حواس اور قوائے ادراکیہ اس کے معطل ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں اس کو ایسے امور غیبی معلوم ہو جاتے ہیں کہ جہاں حواس اور عقل کی رسائی نہیں، اور جب اس خواب کی تعبیر سامنے آتی ہے تو اس سے اس خواب کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ بس جس طرح خواب سے ایسی معلومات دریافت ہو سکتی ہیں کہ جن کے اندر حواس ظاہری بالکل مُعطّل اور نکمے ہیں، اسی طرح نبوت میں بھی ایک ایسی آنکھ کھل جاتی ہے کہ جس کے نور سے غیب کی باتیں منکشف ہوتی ہیں، اور ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کو عقل دریافت نہیں کر سکتی۔

سائنس شریعت کے معارض نہیں ہو سکتی

سائنس کا دائرہ تجربیات اور مشاہدات تک محدود ہے، جو عقل کے دائرہ سے نیچے ہے۔ عقل کی حدود وہاں سے شروع ہوتی ہے کہ جہاں تجربہ اور مشاہدہ کی حدیں ختم ہو جاتی

ہیں؛ اور شریعت کی حدود وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں عقل کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پس سائنس اور شریعت کے درمیان عقل کی حدود فاصل اور حائل ہیں۔ لہٰذا جب ہر ایک کی مسافت اور حد علیحدہ علیحدہ ہے تو پھر تعارض کی کوئی صورت ہی نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ سائنس نے مادیات اور طبعیات کے متعلق عجیب و غریب باتیں دریافت کیں، اور صنعت وحرفت اور روشنی وبجلی کی ترقیات سے عالم کو منور کر دیا۔ لیکن مُعترضین یہ بتلائیں کہ سائنس کی ترقیات سے شریعت اسلامیہ کا کون سا مسئلہ باطل ہو گیا؟ کیا توحید ورسالت کا عقیدہ باطل ہو گیا؟ یا دعوائے نبوت باطل ہو گیا؟ یا عقیدہ آخرت نا قابل قبول بن گیا؟ آزاد خیال حضرات مہربانی فرما کر ان مسائل کی فہرست پیش کریں کہ شریعت کے فلاں فلاں مسائل جدید تحقیقات سے باطل ٹھہرتے ہیں، اور دعوے کے ساتھ دلیل بھی پیش کریں؛ محض کسی یورپین کا قول پیش کر دینا دعوے کے ثبوت کے لیے کافی نہیں۔ دعوے کے ثبوت کے لیے دلیل اور بُرہان چاہئے؛ محض چند جرمنی اور فرانسیسی ڈاکٹروں اور فلاسفروں کے اقوال نقل کر دینے سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

ہمارے آزاد اور روشن خیال بھائی یورپین مصنفین کے چند اقوال یاد کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو علوم جدیدہ کا ماہر تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہ محض ان کی خوش فہمی ہے۔

عقل کی صحت اور مرض کا معیار

جس عقل سے شائستہ افعال صادر ہوں وہ عقل سلیم ہے؛ اور جس شخص سے نازیبا اور ناشائستہ افعال سرزد ہوں اس کی عقل سقیم اور بیمار ہے۔ ناشائستہ افعال کا سرزد ہونا عقل کے بیمار یا کمزور ہونے کی روشن دلیل ہے۔

پس جس طرح ایک انسان بیمار اور کمزور اور لنگڑا اور لولا اور اندھا اور بہرا ہو سکتا ہے، اسی طرح عقل بھی بیمار اور کمزور اور لولی اور لنگڑی اور اندھی اور بہری ہو سکتی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ:

قُوائے عملیہ اور تمام اعضاء اور جوارح عقل کے لیے بمنزلہ آلات کے ہیں۔ عقل ان سب پر حاکم ہے اور یہ سب اس کے محکوم ہیں۔ قوتِ عمل عقل کے اشاروں پر چلتی ہے، جیسے قلم کاتب کے اشاروں پر چلتا ہے۔ اصل لکھنے والا کاتب ہے اور قلم آلۂ کتابت ہے؛ قلم کو مطلق خبر نہیں کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور مجھ سے کیا لکھوایا جارہا ہے۔ اگر قلم کو اپنے لکھے ہوئے کی خبر ہوتی تو دنیا میں قلم سے بڑھ کر کوئی عالم نہ ہوتا۔ اور جو فعل ایسے آلات کے ذریعہ کیا جائے کہ جن میں شعور اور ادراک نہ ہو تو اس فعل کا حسن و قبح اور اس کا نفع اور نقصان ان آلات کی طرف منسوب نہیں ہوتا، بلکہ ان آلات سے کام لینے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جیسے، حروف اور نقوش کا اچھا اور برا ہونا؛ اور کتابت کا باقاعدہ یا بے قاعدہ ہونا؛ یا تخت اور کرسی کا ٹیڑھا اور بدنما ہونا۔ قلم اور بسولہ کی طرف منسوب نہیں ہوگا، بلکہ کاتب اور نجار کی طرف منسوب ہوگا۔

اسی طرح افعال کا اچھا اور برا ہونا اعضاء اور جوارح کی طرف منسوب نہ ہوگا، بلکہ عقل کی طرف منسوب ہوگا۔ اور قوائے عملیہ کا اعتدال یا اختلال، عقل کے اعتدال یا اختلال کی دلیل سمجھا جائے گا۔

عقل کی لطافت اور کثافت

جو عقل نفسانی آلائشوں اور مادی کثافتوں سے پاک اور پاکیزہ اخلاق سے مزین ہو وہ عقل لطیف ہے؛ جو اس کے برعکس ہو وہ عقل کثیف ہے۔ اور جو عقل جس قدر لطیف ہوگی اسی قدر حق جل شانہ سے قریب ہوگی، اور بقدر اپنی لطافت اس نور السمٰوات والارض کے عکس کو قبول کرسکے گی۔ جس طرح آفتاب کا نور شیشہ اور آئینہ اور شجر اور حجر سب پر پڑتا ہے مگر انعکاس میں فرق ہوتا ہے، اسی طرح اس نور السمٰوات والارض کی تجلیات تمام قلوب بنی

آدم پر پڑتی ہیں مگر بقدر استعداد ہر شخص اس سے فیض حاصل کرتا ہے۔ اس کا فیض تو عام ہے؛ اس کو کسی سے بخل نہیں۔ البتہ فرق باعتبار قابلیت اور مناسبت کے ہے۔

کسی کا دل آئینہ کی طرح ہے، اور کسی کا پتھر کی طرح۔ اور جس طرح آتشی شیشہ میں آفتاب کی روشنی کے علاوہ پنہانی طور پر ایک خاص حرارت اور آتشی اثر کی بھی آمد ہوتی ہے، جس کی پاس

والوں کو مطلق خبر نہیں ہوتی، اسی طرح قلوب انبیاء اور اولیاء پر بقدر اُن کی نورانیت اور صفائی قلب کے نور السمٰوات و الأرض کی طرف سے نورانیت کے ساتھ ایک خاص حرارت بھی اترتی ہے، جس کی پاس والوں کو بالکل بھی خبر نہیں ہوتی۔ ان حضرات کے پاک وصاف قلوب آتشی شیشہ کی طرح آفتاب (۱) سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اور جس طرح آتشی شیشہ آفتاب سے فیضیاب ہو کر خود بھی روشن ہو جاتا ہے اور گرم بھی ہو جاتا ہے، اور پھر جو جسم اس کے مقابل آئے اس پر بھی اپنا پرتو ڈالتا ہے اور اس کو روشنی اور گرمی پہونچاتا ہے، حتی کہ جو چیزیں جلنے کے قابل ہوں (مثلاً سیاہ یا سبز چیزیں) وہ اگر آتشی شیشہ کے سامنے آجائیں تو وہ آتشی شیشہ ان کو جلا بھی دیتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ان قلوب پر کہ جو نفسانی کُدورتوں اور آلائشوں سے پاک اور صاف ہوں، نور السمٰوات و الأرض کی طرف سے نورانیت کے ساتھ کوئی حرارت اور گرمی بھی اترتی ہو، جس کو قلوب آتشی آئینہ کی طرح اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہوں، اور محبت خداوندی کی حرارت سے اس قدر گرم اور تاباں ہوں کہ جو دل ان کے سامنے آوے اس میں آگ لگا دیں اور اس کی زمین قلب کو تمام نفسانی جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کر ڈالیں، اور کسی کو خبر بھی نہ ہو کہ کس طرح آگ لگ گئی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان کے سامنے آئے۔

(۱) یہاں آفتاب سے مواد نور الٰہی ہے۔

اس کو یوں سمجھو کہ جب تک خود آئینہ آفتاب کے مقابل اور سامنے نہ ہو اس وقت تک آفتاب سے فیض یاب نہیں ہوسکتا، اسی طرح جن لوگوں نے اپنے آئینۂ دل کا رخ حضرات انبیاء کرام کے قلوب مطہرہ کی طرف کر دیا وہ جگمگا اٹھے اور ان کی تمام کدورتیں یک لخت سوخت ہو گئیں۔ جیسے ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) صدق دل سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے، ظاہر و باطن کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اور ابو جہل اور ابولہب نے نبوت و رسالت کے آتشی شیشہ سے منہ پھیر لیا۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اور آتشی شیشہ میں ایک مخفی اور پوشیدہ تعلق ہے، اسی طرح خالق اور مخلوق کے درمیان میں بھی پوشیدہ تعلقات کا ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ بعض قلوب خدائے عزوجل سے پوشیدہ اور پنہانی طور پر نورانیت اور روشنی کو حاصل کرتے ہیں اور اندر ہی اندر عشق خداوندی کی ایک ایسی حرارت پی جاتے ہیں کہ جس کی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور دوسروں کے دلوں میں آگ لگا کر ان کی تمام کدورتوں کو خاکستر بنا دیتے ہیں، تو کیوں تعجب کرتے ہیں؟ حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ جب آفتاب اور آتشی شیشہ کی مثال پیش کی جاتی ہے تو کوئی شبہ اور تردد لاحق نہیں ہوتا، اور جب خالق اور مخلوق میں اسی نوع کے تعلق کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کو محال اور ناممکن بتلایا جاتا ہے۔ انصاف فرمائیے کہ سوائے مادیت اور روحانیت کے کیا فرق ہے۔

نبوت کی ضرورت

حق جل شانہ نے انسان کو دو چیزوں سے بنایا ہے: ایک بدن، دوسرا دل۔ دل سے ہماری مراد حقیقتِ روحانی ہے جو معرفتِ خداوندی کا محل اور ظرف ہے؛ مضغۂ لحم مراد نہیں، جو زندوں اور مردوں اور انسانوں اور حیوانوں سب میں پایا جاتا ہے۔

اور جس طرح بدن اور جسم کے لیے صحت اور مرض اور تندرستی اور بیماری ہے، جو جسم کی

حیات اور موت کا سبب ہے، اسی طرح دل کے لیے بھی صحت اور مرض ہے جو اس کی اُخروی سعادت اور شقاوت کا سبب ہے اور دائمی حیات اور دائمی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے کما قال تعالی(۱):

إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (۲)۔ و قال تعالی: فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ (۳)

و غیر ذلك من الآیات (۴)۔

حق جل شانہ کی معرفت اور اس کی اطاعت دل اور روح کے لیے تریاق ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور نفس کی متابعت اور نفسانی خواہشوں کی پیروی، یہ دل اور روح کے لیے سَم قاتل ہے۔ تکبر اور کینہ اور حسد اور بغض اور عداوت، اپنی تعلّی اور بڑائی اور دوسروں کی تحقیر اور تذلیل، وغیرہ وغیرہ- یہ دل کے امراض اور بیماریاں ہیں۔ اچھے اعمال روحانی صحت کے لیے مددگار اور معاون ہیں؛ اور برے اعمال روحانی صحت کو تباہ اور برباد کرنے والے ہیں۔

پس جس طرح جسمانی امراض کے معالجہ کے لیے ہر شخص کی عقل کافی نہیں؛ معالجہ کے لیے طبیبِ جسمانی اور طبیب بدنی کی تلاش ضروری ہے، اسی طرح روحانی امراض اور دلی بیماریوں کے معالجہ کے لیے روحانی طبیب کی ضرورت ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی بدعقل مریض ایسا ہو کہ جو تکبر اور کینہ اور حسد کو بیماری ہی نہ سمجھتا ہو تو اس سے ہمارا خطاب نہیں۔ جو مریض مرض کے اس درجہ پر پہونچ گیا ہو کہ جو بیماری ہی کو تندرستی سمجھنے لگے تو اس کا خدا ہی مالک ہے۔ ظاہر اسباب میں اس کے بچنے کی سبیل نظر نہیں آتی۔ ہر شخص بدون اطباء جسمانی کے

(۱) جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا

(۲) قرآن شریف، سورۂ شعراء (۲۶): ۸۹ ترجمہ: ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)۔

(۳) قرآن شریف، سورۂ بقرہ (۲): ۱۰ ترجمہ: ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔

(۴) اور اس کے علاوہ دیگر آیات میں یہ مضمون آیا ہے۔

بتائے، اشیاء اور اَدوِیہ کے خواص معلوم نہیں کرسکتا کہ یہ چیز گرم ہے یا سرد ہے؛ خشک ہے یا تر؛ اور یہ دوا کس مرض کے لیے مفید ہے اور کتنی مقدار میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

اسی طرح اعمال خیر اور اعمال شر کا حسن اور قبح اور روح اور دل کے امراض اور ان کی ادویہ اور ان ادویہ کے خواص اور آثار اور ان کی مقدارِ استعمال کا علم بغیر اطباء روحانی کے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ روح نہایت لطیف شے ہے؛ اور جسم و بدن کثیف ہے۔ پس جب کہ جسم کی صحت اور مرض کا علم ہم جیسے کم عقلوں کو بدون طبیب کے بتلائے ہوئے نہیں ہو سکتا، تو روح کی صحت اور بیماری جو نہایت لطیف اور باریک ہے بغیر کسی طبیب روحانی کے بتائے ہوئے ہم جیسے کم عقلوں کو کب معلوم ہو سکتی ہے۔

لہٰذا بعض ابنائے جنس کا یہ قول کہ: 'انسان کو اپنی عقل کا اتباع کافی ہے، دین و مذہب کیا چیز ہے اور اس کی کیا ضرورت ہے؟' یہ بعینہ اس مریض کے قول کے مشابہ ہے کہ جو کہے کہ: طب اور ڈاکٹری کیا چیز ہے اور طب کی کیا ضرورت ہے؟

اگر جسمانی امراض کے لیے طبیب جسمانی کی ضرورت ہے، تو روحانی امراض کے معالجے کے لیے روحانی طبیب کی اس سے ہزار درجہ بڑھ کر ضرورت ہے۔ جس طرح مریض کا یہ کہنا کہ بیماری کیا ہے اور طب کیا ہے اور طبیب کی کیا ضرورت ہے، یہ بھی ایک قسم کی بیماری ہے۔

اسی طرح کسی مریض العقل کا یہ کہنا کہ مجھے اپنی عقل کافی ہے، کسی اور عاقل کے اتباع اور پیروی کی ضرورت نہیں، یہ بھی ایک قسم کی بے عقلی ہے۔ کیونکہ عقل کا کہنا جب قابل تسلیم ہے کہ عقل کو اپنی معلومات پر ایسا یقین اور اطمینان ہو جیسے دو دُونی چار، اور چار کا جفت ہونا اور تین کا طاق ہونا یقینی ہے۔

اعمال اور افعال کے حسن و قبح معلوم کرنے کے لیے عقل کے چراغ گل ہیں۔ عقول بے انتہا مختلف اور متفاوِت ہیں۔ جیسے ذروں اور شمع؛ اور چراغ اور ستاروں؛ اور چاند اور سورج کے نور میں فرق ہے، ایسے ہی عقول میں بھی تفاوت ہے۔

جیسے بعض رنگ قریب قریب ہوتے ہیں؛ جیسے کشمشی اور عنابی اور ملکوہی۔ ان کا فرق رات میں نہیں معلوم ہوتا، رات میں سب یکساں معلوم ہوتے ہیں، ان کا صحیح فرق دن ہی میں معلوم ہوتا ہے، اور پھر دن میں بھی شرط یہ ہے کہ گرد وغبار نہ ہو اور آنکھیں دُکھتی نہ ہوں۔ اسی طرح مراتب اعمال کا فرق معلوم کرنے کے لیے ایسی کامل عقل چاہئے کہ جو آفتاب کا حکم رکھتی ہو اور پھر شرط یہ ہے کہ نفسانی خواہشوں کے گرد وغبار نے اس کے نور کو مکدّر نہ کر دیا ہو۔ اس لیے کہ مَثل مشہور ہے اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ محبت میں آدمی کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کو اپنے اور اپنے دوستوں کے عیوب پر کم نظر ہوتی ہے۔ اور اسی طرح حرص اور طمع اور نفسانی خواہش بھی آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے۔ ہوا میں اڑنے والے پرند پر جب حرص کا غلبہ ہوتا ہے تو فضاء آسمانی سے اس کو زمین کا دانہ تو نظر آ جاتا ہے مگر صیاد کا جال نظر نہیں آتا۔

پس جس طرح مریض الجسم کو جسمانی علاج میں جسمانی اطباء کی پیروی ضروری ہے، اسی طرح مریض العقل کو روحانی علاج میں روحانی اطباء کی پیروی ضروری ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں اِنہیں روحانی اطباء کو انبیاء و رُسُل کہتے ہیں۔ پیغمبر اور نبی اور رسول؛ ان تینوں لفظوں کے معنی کا حاصل خبر رسانی ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی خبریں بندوں تک پہونچائے اس کو پیغمبر کہتے ہیں۔ اور نبی بھی 'نَبا' سے مشتق ہے، جس کے معنی 'صحیح اور مُہتم بالشان خبر' کے ہیں۔

طبیب کی شناخت یعنی اثبات رسالت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیہ

جب کوئی طبیب کسی اجنبی بستی میں آکر فروکش ہوتا ہے تو محفلوں اور مجلسوں میں موقع بموقع یہ تذکرہ کرتا ہے کہ میں طبیب ہوں اور فلاں طبی درسگاہ کا سند یافتہ ہوں۔ اور اپنے مکان کے دروازے پر بھی اپنے مَطب کا ایک بڑا تختہ لگالیتا ہے۔

اس اعلان کے بعد لوگ اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں؛ کچھ لوگ محض شہرت کی بناء پر اور بعضے بغرض امتحان اور تجربہ اور بعضے حقیقۃً بغرض معالجہ اس کے پاس آنے لگتے ہیں۔ اور جب کچھ بیماروں کو اس کے ہاتھ سے شفایاب ہوتے دیکھتے ہیں تو رجوعات اور توجہات میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور جوں جوں یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ تمام ملک میں اس کی طبی حذاقت مُسلّم ہوجاتی ہے اور تمام اطباء اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے طبیبوں کے طبیب ماننے کا معیار اسی طبیب حاذق کی تصدیق قرار پاجاتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو سمجھو، کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ کی سرزمین میں اپنے رسول اور نبی ہونے کا دعویٰ فرمایا اور یہ اعلان کیا کہ میں مِن جانبِ اللہ تمہارے روحانی امراض کے معالجہ کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ جن لوگوں کی فطرت سلیم تھی انہوں نے تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ شخص حقیقۃً طبیبِ روحانی ہے؛ اور بہت سے ازراہِ امتحان اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب یہ لوگ بحکم خداوندی اپنے مہلک روحانی امراض سے یکایک شفایاب ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ جو لوگ روحانی سِل اور جُذام اور سکتہ کی حالت کو پہونچ چکے تھے وہ یکایک تندرست اور قوی اور جوان بن گئے؛ اور جو دل کفر اور

جہالت کی ظلمتوں سے تاریک بنے ہوئے تھے وہ جمال خداوندی کے عکس سے جگمگا اٹھے؛ اور جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے؛ اور جو گمراہ تھے وہ ہادی اور رہنما بن گئے؛ اور ان کا تکبر اور غرور اور نخوت اور حسد اور کینہ اور حرص اور طمع وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے تمام روحانی امراض صبر اور تواضع اور توکل اور رضاء و تسلیم اور زہد اور قناعت سے بدل گئے۔

غرض یہ کہ اس مُحیّر العُقول منظر کو دیکھ کر دنیا میں ایک مُنادِی پھر گئی کہ یہ طبیب تو نہایت ہی عجیب طبیب ہے کہ اس کی ایک ہی نظرِ کیمیا اثر میں مریض کندن بن جاتا ہے۔ یہ سنتے ہی ہر طرف سے مایوس العلاج بیمار فوج در فوج اس کی طرف رجوع کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ روز نہ گزرے کہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ مایوس العلاج مریض اس طبیب روحانی کی طرف رجوع کرنے سے فقط شفایاب ہی نہیں ہوئے بلکہ عالم کے لیے طبیب اور مسیحا بن کر نکلے۔ پس کیا اس مشاہدہ کے بعد بھی اس روحانی طبیب کے طبیبِ حاذق ہونے میں کوئی شک اور شبہ رہ سکتا ہے؟

مذہب کی تعریف اور ضرورت

مذہب اصل میں 'راستہ اور چلنے کی جگہ' کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں مذہب اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر چل کر بندہ خدا تعالیٰ تک پہونچ جائے۔ اور اگر یہ راستہ سیدھا اور صحیح ہے تو اس کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔

خالق کی معرفت اور اس کی محبت اور اطاعت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ فطرت ہر وقت اس فکر اور تلاش میں ہے کہ کس طرح اپنے خالق اور مربی کو پہچانوں اور کس طرح اس تک پہونچوں۔ انسان دیکھتا ہے کہ عالم کی تمام چیزیں میرے نفع کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

(۱) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (۱) (ترجمہ:) 'وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو زمین میں ہے سب۔'

(۲) أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (۲) (ترجمہ:) 'کیا تم نہیں دیکھتے کہ بلاشبہ اللہ تعالی نے تمہارے لیے فرماں بردار بنا دیا ان تمام چیزوں کو جو زمینوں اور آسمانوں میں ہیں اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پورا کر دیا۔'

(۳) وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (۳) (ترجمہ:) 'اور تمہارے لیے خدا تعالی نے رات اور دن کو مُسخّر کر دیا۔'

(۴) وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ النُّجُومُ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ (۴) (ترجمہ:) 'اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔'

پس جب دنیا کی تمام چیزیں میرے لیے پیدا کی گئی ہیں تو میں آخر کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؛ اور تمام کائنات پر مجھ کو شرف اور برتری کیوں دی گئی ہے؛ اور کائنات کو میرا خادم اور مجھ کو سب کا مخدوم کیوں بنایا گیا؟ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَ أَنَّكُمْ إِلَيْنَا لا تُرْجَعُونَ (۴) (ترجمہ:) 'کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آ ؤ گے؟'

انسان کو چاہئے کہ اپنے مقصدِ حیات اور غایتِ تخلیق کو سمجھے کہ کہاں سے آیا ہوں اور کہاں جانا ہے؛ حیوانات کی طرح کھانے اور پینے کو مقصودِ زندگی نہ سمجھے۔

(۱) قرآن شریف، سورۂ بقرہ (۲):۲۹
(۲) قرآن شریف، سورۂ لقمان (۳۱):۲۰
(۳) قرآن شریف، سورۂ نحل (۱۶):۱۲
(۴) قرآن شریف، سورۂ نحل (۱۶):۱۲
(۵) قرآن شریف، سورۂ مومنون (۲۳):۱۱۵

مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم وراہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے(۱)

پس جس طرح انسان اس محدود اور فانی زندگی کی فلاح کے لیے جد و جہد (کو) مُقتضائے عقل و دانش سمجھتا ہے؛ اسی طرح، آنے والی غیر محدود اور غیر فانی زندگی کے لیے بھی جِد و جُہد کو ضروری اور لازم سمجھے۔ جس درجہ کی زندگی ہے اسی درجہ کی اس کے لیے جدو جہد اور سعی درکار ہے۔

اِعمَلْ لِدُنیاكَ بِقدرِ مَقامِكَ فيها و اعمل لِآخرتِكَ بقَدرِ بَقائِكَ فيها(۲)

(ترجمہ:) ’دنیا کے لیے اتنا عمل کر جتنا کہ دنیا میں ٹھہرنا ہے، اور آخرت کے لیے اتنا عمل کر جتنا کہ تجھے آخرت میں رہنا ہے۔‘

اسی وجہ سے ارشاد باری ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ (۳) (ترجمہ:) ’میں نے جن اور انس کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔‘

عبادت سے انسان ہی کا فائدہ ہے

جس طرح مریض اگر طبیب کی اطاعت کرے تو مریض ہی کا فائدہ ہے، طبیب کا

---

(۱) علامہ اقبال، بانگ درا، حصہ سوم، ’والدہ مرحومہ کی یاد میں‘

(۲) روح البیان، ج ۸، ص ۲۵، تفسیر سورۂ ص (۳۸)، آیت ۲۹ /
امام بیہقیؒ نے السنن الکبری، باب القصد فی العبادۃ والجھد فی المداومۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے اسی مفہوم کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے: اعْمَلْ عَمَلَ امْرِءٍ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَمُوتَ أَبَدًا، وَاحْذَرْ حَذَرًا تَخْشَى أَنْ تَمُوتَ غَدًا یعنی نیک اعمال اس شخص کی طرح دلجمعی سے کرو جو یہ سمجھتا ہو کہ اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور گناہوں سے اس طرح بچو گویا کہ تمہاری موت کل ہی آجائے گی۔

(۳) قرآن شریف، سورۂ ذاریات (۵۱):۵۶

کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح عبادت اور بندگی سے بندہ ہی کا فائدہ ہے؛ کہ عبادت سے حق جل شانہ کی رضا اور لطف اور عنایت کا مَورِد بنتا ہے۔ حق تعالیٰ غنیٔ مُطلق ہے، اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔

مَن نہ کردَم خَلق تا سُودِے کُنَم
بلکہ تا بَر بندگاں جُودے کنم (۱)

مذہب کی تعلیم

حضرات انبیاء کرام نے خدا تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ بتایا اور یہ بتلایا کہ انسان مرنے کے بعد فنا نہیں ہوجاتا بلکہ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

اور یہ بتلایا کہ یہ دنیا دار العمل ہے اور آنے والا عالم دار الجزاء ہے، جس کا نام دار آخرت ہے۔ اور یہ بتلایا کہ یہ کارخانۂ عالم جس کو ہم محسوس کررہے ہیں، یہ خودرُو کارخانہ نہیں کہ خود بخود پیدا ہوگیا ہو بلکہ اس سارے کارخانہ کا ایک خالق اور ایک مربی ہے، اس کے حقوق اور آداب اور احکام ہیں جن پر چلنے سے اس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

انبیاء کرام نے دنیاوی علوم وفنون کی ترقی اور صنعت وحرفت میں کمال حاصل کرنے کی کوئی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس کی تاکید اور تلقین فرمائی۔ البتہ ان کے قوانین اور آئین بیان کئے اور ان کے حدود متعین کئے۔

دنیا میں وہ کون سی حکومت ہے جس میں صنعت وحرفت کے لیے کوئی قانون نہ ہو؟

کتاب وسنت تجارت اور زراعت اور صنعت اور حرفت کی تاکیدِ اکید کرتی ہے۔ مگر ساتھ ساتھ اس کے حدود اور قواعد بھی بیان کرتی ہے، جس کو نادان ترقی میں مُزاحم سمجھتے

(۱) مثنوی مولانا رومؒ، دفتر دوم، ’عتاب کردن حق تعالی موسی علیہ السلام از بہر شباں‘ ترجمہ: میں نے مخلوق کو کسی نفع کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اس لیے تاکہ بندوں پر کرم کروں۔

صحیح ترقی وہی ہے جو کسی قانون اور قاعدہ کے ماتحت ہو۔ اصل ترقی کا دارومدار چار چیزیں ہیں۔(۱) زراعت، (۲) تجارت، (۳) صنعت وحرفت، اور (۴) ملازمت جس کو اصطلاح شریعت میں اِجارہ کہتے ہیں۔

شریعت کی بے شمار نصوص سے ان تمام امور کی تاکید اور ترغیب ثابت ہے۔ اور حق تعالیٰ نے ان امور کے متعلق احکام صادر فرمائے ہیں۔ جو چیزیں حقیقۃً مُضِر تھیں اور عالم کی ترقی اور تمدن کو خراب کرنے والی تھیں، جیسے سود و قمار وغیرہ وغیرہ، ان کو ناجائز قرار دیا ہے، اگرچہ کوئی خودغرض سود اور قمار کو اپنے لیے نافع اور مفید سمجھے۔ اور جو چیزیں حقیقۃً مفید اور نافع تھیں ان کو جائز قرار دیا۔

ہر حکومت نے اپنے قانون میں چوری اور ڈاکہ زنی کو جرم اور ممنوع قرار دیا ہے، حالانکہ چوری اور ڈاکہ زنی شخصی منافع سے خالی نہیں۔ مگر کوئی شخص قانون اور حکومت پر یہ اعتراض نہیں کرتا کہ یہ قانون ہماری ترقی میں حارج اور مزاحم ہے، لہٰذا اس کو منسوخ کیا جائے۔ اسی طرح، شریعت نے سود اور قمار اور رشوت وغیرہ کو حرام قرار دیا جو مضرّت میں چوری اور ڈاکہ زنی سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ لیکن افسوس، لوگ شریعت کے احکام کو مانع ترقی سمجھتے ہیں۔

معترضین اولاً ترقی کی جامع مانع تعریف بیان کریں اور ثانیاً یہ بتلائیں کہ شریعت کے وہ کون سے احکام ہیں جو دنیاوی ترقی میں حارج اور مزاحم ہیں۔ ایسے مسائل کی ایک فہرست پیش کریں تاکہ علماء ان کا جواب دیں۔ البتہ شریعت میں نفسانی خواہشوں اور عیش پرستیوں اور مستیوں کے لیے گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ اگر نفسانی خواہشوں اور خودغرضیوں کو آزادی دے دی جائے تو لوگوں کے جان اور مال اور عزت وآبرو سب خطرہ میں پڑ جائیں گے، اور شہر کا تمدن اور اس کی شہریت مُبدّل بہ وحشت و بربریّت ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ اصل تمدن کا محافظ قانون شریعت ہے جو نفسانی خواہشوں پر پابندی عائد کرتا ہے۔

غرض یہ کہ

مذہب کی تعلیم کسی دنیاوی ترقی کو منع نہیں کرتی بلکہ اس کی ترغیب دیتی ہے، کہ خدا تعالیٰ نے عقل کی نعمت سے تم کو نوازا ہے، اس سے کام لو، البتہ منزل مقصود اور مقصود اصلی سے غافل نہ ہو۔ مقصود اصلی یہ عالم نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو سرائے فانی اور ایک گذرگاہ ہے۔ چند روز کے بعد یقیناً اِس عالم سے گزر کر دوسرے عالم میں جانا ہے۔ اُس عالم کی زندگی تمہاری دائمی زندگی ہے۔ اِس کی فکر کرو اور اُس زندگی کو اِس فانی زندگی سے زیادہ بہتر اور مکمل بناؤ۔ اور چونکہ دوسری زندگی عقل اور حواس سے بالا اور برتر ہے، اور بِدُون کسی راہبر اور باخبر کے معلوم نہیں ہوسکتی۔ اور اُس عالم کے باخبر اور راہبر حضرات انبیاء کرام ہیں کہ جو بذریعہ وحی وہاں کے احوال سے بندوں کو آگاہ اور باخبر کرتے رہے۔ (اس لیے اُس دوسری زندگی کے احوال و واقعات کو جاننے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی خبروں پر اعتماد ضروری ہوگا۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے محض عقل اور حواس کے ذریعہ اُس زندگی کی تفصیلات کا علم ممکن نہیں ہوسکتا۔)(۱)

یہ نہ سمجھو کہ حضرات انبیاء نے فقط عالم آخرت کے احوال سے آگاہ اور باخبر کیا، بلکہ دنیا میں اگر ایک طرف آدابِ عبودیت سے آگاہ کیا تو دوسری طرف تمدن اور معاشرت اور معاملات تجارت اور نظام حکومت کے آئین اور قوانین سے بھی پورا پورا آگاہ اور باخبر بنایا۔

عقل سلیم کی تمنا اور آرزو حضرات انبیاء کرام کی تعلیم سے پوری ہوئی۔ عقل کی تمنا یہ تھی کہ جس خالق نے مجھ کو پیدا کیا ہے اول اس کے حقوق اور آداب معلوم ہوں؛ بعد ازاں جو

(۱) بین القوسین عبارت اصل نسخے میں موجود نہیں ہے، مفہوم کو مزید واضح کرنے کے لیے اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

میرے رُفقاءِ حیات یعنی جو وجود اور زندگی میں میرے ساتھی ہیں ان کے حقوق معلوم ہوں: کہ ان کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کروں، اور کس طرح ان سے معاملات کروں، اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کس طرح منظم کروں اور پھر جب اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف سفر کروں تو وہاں کے لیے کیا توشہ تیار کروں۔

عقل نے اپنی تمناؤں اور آرزؤں کو موجودہ تمدن کے سامنے ذکر کیا تو موجودہ تمدن نے یہ جواب دیا کہ: مجھے نہ خالق سے بحث اور نہ دوسری آنے والے زندگی سے بحث، میں فقط اتنا بتلا سکتا ہوں کہ یہ فانی اور چندروزہ زندگی کس طرح عیش وعشرت کے ساتھ گذاری جائے، اس کے کچھ طریقے تم کو بتلا دوں گا۔ لیکن یہ سوچ لو کہ اس مقصد کے حصول میں حلال اور حرام، جائز اور ناجائز، امانت اور خیانت اور صدق اور کذب کی کوئی تقسیم نہ ہوگی؛ جس صورت سے تمہاری مقصد بر آری ہو سکے وہ سب تمہارے لیے جائز اور رَوا ہوگا۔

حضرات انبیاء کرام نے عقل کو تسلی دی اور فرمایا کہ: اے عقل سلیم، تو پریشان اور مضطرب نہ ہو، ہم تجھ کو تیرے خالق اور مُربّی کے آداب اور حقوق بھی بتلائیں گے اور دنیاوی زندگی کے تمام روحانی اور جسمانی طریقوں اور آداب سے بھی آگاہ کریں گے؛ اور معاشرت اور معاملات تجارت اور نظام حکومت کے آئین اور قوانین تجھ کو سکھلائیں گے۔ ہمارے احکام اور قوانین میں غرض اور نفسانیت کا شائبہ بھی نہ ہوگا۔

حضرات انبیاء کرام نے عقل سلیم کو خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ:

نفس اور شیطان کو اپنا دشمن سمجھنا، ان کے کسی مشورہ کو ہرگز ہرگز قبول نہ کرنا؛ یہ دونوں تیرے جانی دشمن ہیں، نفسانی خواہشوں اور لذتوں کا جال تیرے سامنے بچھائیں گے اور بہ رنگِ دوستی تیری تباہی اور بربادی کا سامان کریں گے۔

اے عقل! اگر تو لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا چاہتی ہے تو ذوالقرنین، داؤد اور

سلیمان کے طریقۂ حکم رانی اختیار کر؛ نمرود اور فرعون (امریکہ اور برطانیہ) کی ظاہری آرائش اور تمدن پر نظر نہ کر، اس کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔

اے عقل! نفس اور شیطان تجھ کو نمرود اور فرعون کا زَرق و بَرق ایوان دکھلا کر تیری نظروں کو چکا چوند کریں گے۔ لیکن اے عقل، اگر تو نے غور و فکر سے کام لیا تو قسم ہے خداوند ذوالجلال کی، ادنیٰ نظر سے تجھ پر یہ حقیقت مُنکشِف ہو جائے گی کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کا بوریا قیصرو کسریٰ کے تخت سے کہیں زیادہ جاہ و جلال رکھتا تھا۔

حضرات انبیاء کرام کی تعلیم اخلاقی پستی سے نکال کر مَکارِم اخلاق کے بلند مقام پر پہونچاتی ہے۔ اور جدید تمدن لوگوں کو مُطلَق العِنانی کی طرف بلاتا ہے اور بھلائی اور برائی، اور جائز اور ناجائز کی تقسیم کو اپنی اغراض اور مقاصد میں سدِّ راہ سمجھتا ہے؛ اس لیے کہتا ہے کہ سیاست کو مذہب سے الگ رکھو۔ اس لیے کہ مذہب امانت اور صداقت کو فرض اور لازم قرار دیتا ہے؛ اور رشوت اور خیانت اور مکاری اور عیاری کو حرام اور ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور یہ شخص جائز اور ناجائز کی تقسیم کو اپنی اغراض اور مقاصد میں حارج اور مزاحم دیکھتا ہے۔ اس لیے یہ شخص مذہب کا نام بھی سننا نہیں چاہتا اور اس گروہ کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا کہ جو جائز اور ناجائز اور حلال و حرام کی تقسیم کا قائل ہو، یعنی مولوی اور ملا کی۔ تا کہ دل کھول کر بلا کسی کھٹکے کے اپنی اغراض کو پورا کر سکے اور کوئی مذہبی عالم اس کے کسی فعل کو ناجائز اور حرام نہ بتلائے۔ اس لیے یہ کہتا ہے کہ سیاست کو مذہب سے الگ رکھو۔ لیکن اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ شریعت تو عطر اور گلاب ہے اور موجودہ سیاست پیشاب ہے۔ ایسے نادان سے کیا خطاب کریں کہ جسے گلاب اور پیشاب کا فرق نہ معلوم ہو، بجز اس کے کہ یہ دعا کریں کہ اللہ اس کو عقل دے۔ اب کچھ مختصر کہہ کر بات ختم کریں۔

لامذہبوں کا مذہب

جو لوگ مذہب کے مُنکر ہوتے ہیں اور لامذہبیت پر بڑے بڑے لیکچر بھی دیتے ہیں اگر چہ یہ لوگ اپنے لیے مذہب کا نام گوارہ نہیں کرتے مگر کچھ نہ کچھ ان کا مذہب بھی ضرور ہوتا ہے۔ کسی کا مذہب سوسائٹی ہے، کسی کا مذہب کوئی خاص تحریک ہے، کسی کا مذہب کوئی خاص نصب العین ہے جو ہر ایک کا

معبود اور مقصود ہے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (۱) (ترجمہ:) 'اس کو تو دیکھو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا'

لامذہبیت کا ڈھنڈورہ پیٹنے والے بہت سے فرقے ہیں، مگر ایک قدرِ مُشترک جو تمام دنیا کے لامذہبوں میں مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کا دین اور حکم کوئی شے نہیں۔ اور ان تمام لامذہبوں کا مشترک مقصد اور مطمح نظر یہ ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشوں اور جسمانی لذتوں کے حاصل کرنے میں ہر طرح سے آزاد ہو اور حلال وحرام اور جائز اور ناجائز کی مذہبی تقسیمات ہمارے لیے سدّ راہ نہ بنیں۔

اے میرے عزیزو! ذرا غور کرو: کیا ایسی زندگی انسانی زندگی کہلا سکتی ہے؟ انسان اور حیوان میں مابہ الفرق اور مابہ الامتیاز یہی تو ہے کہ انسان کے لیے قوانین اور آئین ہیں، اور حیوان کے لیے کوئی قانون اور آئین نہیں ہوتا؛ حیوان جس جگہ چاہے منہ مار کر کھا لے اور جس مادہ سے چاہے جُفتی کرلے، حیوان پر نہ نکاح واجب ہے اور نہ مہر اور نفقہ لازم ہے۔

اور نہ حیوان کے لیے خُلَع اور طلاق کے احکام ہیں۔ اور بیل کے مرجانے کے بعد اس

(۱) قرآن شریف، سورۂ جاثیہ (۴۵): ۲۳

کی مادہ پر کوئی عدت واجب نہیں۔ اور علی ہذا، حیوان کے لیے کسی بیت الخلاء کی ضرورت نہیں، جہاں چاہے کھڑا کھڑا یا چلتا چلتا موت دے اور لید اور گوبر کردے۔

حضرات انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ پر اللہ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہوں کہ جن کی تعلیم اور تربیت نے انسانوں کو انسان بنایا: کہ کس طرح کھائے اور کس طرح پئے؛ اور کس طرح زندگی بسر کرے اور کس طرح زراعت اور تجارت کرے؛ اور کس طرح حکومت کرے اور کس طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کرے۔

مذہب اسلام دین اور دنیا دونوں کا جامع ہے

الحمد للہ ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ مذہبِ اسلام دین اور دنیا دونوں کا جامع ہے۔ مذہب اسلام یہ کہتا ہے کہ دنیا کی تدبیریں بھی کرو اور راہب نہ بنو مگر قلب کو اپنے مرکز پر رکھو۔ جیسے پرکار کا ایک پرّہ مرکز پر ہوتا ہے اور ایک پرہ دائرہ کے مُحیط پر ہوتا ہے، جو پرہ مرکز پر ہوتا ہے وہ حرکت نہیں کرتا کیوں کہ وہ مرکزی نقطہ پر ہے اور جو پرہ محیط کے دائرہ پر ہوتا ہے وہ حرکت کرتا ہے۔ اسی طرح، قلب کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ مذہب اسلام یہ کہتا ہے کہ باطن قلب کو خدا کی یاد میں مشغول رکھو اور ظاہر قلب کو محیطِ دائرہ پر چلاتے رہو، یعنی تجارت اور زراعت اور صنعت اور حرفت میں لگائے رکھو:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ(۱)

(ترجمہ:) '(وہ مقبولین) ایسے لوگ جن کو تجارت و بیع غافل نہیں کرتے اللہ کے ذکر سے اور نماز سے اور زکوۃ سے۔' کا مصداق بنے رہو۔

(۱) قرآن شریف، سورۂ نور (۲۴): ۳۷

اَز دَرُوں شَو آشناوز بَرُوں بیگانہ باش

اِیں چُنیں زیبا رَوِش کَم می بُوَد اَندر جہاں (۱)

اور جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو پرکار کے باہر کا پرہ بھی جو محیط پر گھوم رہا تھا (وہ) اندر کے پرہ کے قریب پہونچ جاتا ہے کیونکہ اس وقت دنیا کے افکار منقطع ہو جاتے ہیں۔ کسی نبی نے کبھی یہ فرمائش نہیں کی کہ تم دنیاوی کاروبار تجارت اور زراعت اور صنعت وحرفت کو یکلخت چھوڑ کر ہمہ تن عبادت الٰہی اور ذکر خداوندی میں مشغول ہو جاؤ، بلکہ کسب معاش اور تجارت اور زراعت کی ترغیب دی، بلکہ تاکیدی حکم دیا۔ اور سلطنت قائم کرنے اور حکمرانی کرنے کے طریقے بتلائے۔ حضرات انبیاء کرام کا جہاد کرنا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہیں بنانا اور سلطنت کا قائم کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

اور علی ہذا، صحابہ کرام سے خلافت اور روئے زمین کی بادشاہت کا وعدہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے۔ صحابہ کرام کی تمام زندگی اس پر شاہد ہے کہ صحابہ فقیر اور درویش بھی تھے اور فاتح عالم اور قیصر وکسریٰ کا تختہ الٹنے والے بھی تھے۔

معلوم ہوا کہ مذہب اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا، بلکہ بادشاہی اور فقیری دونوں کو بیک وقت جمع کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ عارف رومیؒ نے ایک بادشاہ کے متعلق لکھا ہے:

---

(۱) عزیزان علی رامیتنیؒ، بحوالہ
www.islahulmuslimeen.org/urdu/naqshbandiya/terms.htm//:http
بعنوان 'اصطلاحات طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ'، ویب لنک دیکھے جانے کی تاریخ: یکم فروری ۲۰۲۱ء ترجمہ: اپنے باطن کی خبر رکھ اور ظاہر سے بے خبر ہو جا؛ ایسے کردار کے حامل افراد دنیا میں خال خال ہوتے ہیں۔

بُود شاہے در زمانِ پیش زِیں
مُلکِ دُنیا بُودَش و ہم ملک دِیں(۱)

عقل سلیم کا فتویٰ

عقل سلیم کا فتویٰ یہ ہے کہ اپنی جد و جہد کو فقط اس فانی زندگی تک محدود نہ رکھو، بلکہ دائمی زندگی کے لیے اس سے زیادہ کوشش کرو۔ اس لیے کہ تم جسم اور روح دونوں سے مل کر بنے ہو، اور ظاہر ہے کہ روح کا مرتبہ جسم سے کہیں بلند ہے۔ لہٰذا عالم جسمانی اور عالم روحانی کی جِدّ و جُہد میں بھی وہی نسبت ملحوظ رہنی چاہیئے کہ جو نسبت جسم اور روح میں ہے۔ روحانیت کو جسمانیت پر غالب رکھو؛ روح کو مخدوم بناؤ اور جسم کو خادم بناؤ۔

خاتمہ

اب میں اس تحریر کو ختم کرتا ہوں اور اہل فہم سے یہ امید رکھتا ہوں کہ اگر اس تحریر کو ذرا بھی غور سے پڑھیں گے تو ان شاء اللہ ثُم ان شاء اللہ ان پر عقل سلیم اور مذہب کی مطابقت اور کمال اتحاد اور موافقت واضح ہو جائے گی۔ نیز یہ امر بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ حضرات انبیاء کرام کی پاک اور صاف اور صادق اور بلند و برتر تعلیمات ہماری بیمار عقلوں کے لیے اِکسیر اور تریاق ہیں۔

دعا

اے پروردگار عالم! تیرا لاکھ لاکھ اور کروڑ کروڑ شکر ہے کہ تو نے اپنی رحمت کاملہ سے ہم روحانی بیماروں کے علاج اور شفاء کے لیے سرخیل اطباء روحانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب الشفاء یعنی قرآن کریم دے کر بھیجا۔

(۱) مثنوی مولانا رومؒ، دفتر اول، عاشق شدن پادشاہ بر کنیزک رنجور و تدبیر کردن در صحت اوُ ترجمہ: اب سے پہلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا، جس کی حکومت ملک دنیا پر بھی تھی اور ملک دین پر بھی۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (۱) (ترجمہ:) 'اور ہم قرآن مجید سے وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو کہ شفا اور رحمت ہیں مومنین کے لیے'

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَائَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ (۲)

(ترجمہ:) 'اے لوگو! بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور شفاء اس چیز کی جو سینوں میں ہے۔'

ہم تجھ سے بصد ہزار عجز وزاری یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو اس نسخۂ ہدایت کے استعمال کی توفیق عطا فرما اور ظاہری اور باطنی اور جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفایاب فرما۔ آمین!

اللّٰهُمَّ أَنْتَ الشَّافِي، لاَ شِفَاءَ إِلاَّ شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا۔ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسأَلُكَ قلبًا سلِيمًا وَخُلُقاً مُسْتَقِيماً وَ عِلْماً نَافِعًا وَرِزقًا واسعًا وَشِفَاءً مِن كل داءٍ۔ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔ آمين، بِرَحْمَتِكَ يا أَرحَمَ الراحِمِين يا ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ۔

(ترجمہ:) اے اللہ! شفا عطا فرما: تو ہی شفا دینے والا ہے، کوئی شفا تیری شفا کے سوا نہیں۔ ایسی شفا کہ جو کوئی مرض نہ چھوڑے۔ اے اللہ! میں تجھ سے قلب سلیم اور خُلق مستقیم اور علم نافع اور رزق واسع اور شفا ہر مرض سے مانگتا ہوں۔ اے آسمانوں اور زمین کے خالق! تو ہی میرا والی ہے دنیا میں اور آخرت میں، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

یوم الاحد، ۹ محرم الحرام / ۱۳۷۵ھ ہجری

(۲) قرآن شریف، سورۂ اسراء (۱۷): ۸۲

(۳) قرآن شریف، سورۂ یونس (۱۰): ۵۷

Al Nadwa Library
الندوہ
Chattar Islamabad 46001
0333-8383...